اہل السنة

Ahl Us Sunnah

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

October 2022

اکتوبر ۲۰۲۲ء

یہ مدرسہ ہے ترا میکدہ نہیں ساقی

دوران حمل ہمبستری کرنے پر حمل کی صحت وتندرستی میں اضافہ

بندریا کے رجم سے متعلق روایت پر اعتراض کا جواب

تاریخی روایات میں تساہل یا تثبت ؟

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی 129 نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

عید میلاد ثابت یا غیر ثابت؟

سوچنے کی بات ہے نا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ثابت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اسی لیے کوئی بھی اس کے عدم جواز کی بات نہیں کرتا...... بریلوی بھی نہیں ...... دیوبندی تبلیغی بھی نہیں...... اہل حدیث بھی نہیں...... کیوں؟ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ اس کا ثبوت موجود ہے...... لیکن بات جب ''میلاد'' کی آتی ہے، ''شبِ برأت'' کی آتی ہے، ''شبِ معراج'' کی آتی ہے، گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، چودہویں، پندرہویں اور چالیسویں پچاسویں کی آتی ہے تو کسی نہ کسی کا اختلاف نظر آ جاتا ہے اور یہی ایک چیز ان تمام چیزوں کے خرافات ہونے کی بین اور واضح دلیل ہے کیونکہ جھوٹ پر پوری امت کا اتفاق ممکن ہی نہیں۔

پتہ کیا چلا؟ کہ عید اور بقر عید کو چھوڑ کر ساری ''عیدوں'' میں ''جھول'' ہے، خود ساختہ عیدیں ہیں اور ان میں کیے جانے والے اعمال کا اسلام اور اسلامی تعلیمات سے کوئی لینا دینا نہیں۔

گویا کہ دال میں کالا نہیں بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔

حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی

Ahlus Sunnah

Volume No.10, Issue No.129, October, 2022

ماہنامہ

اکتوبر ۲۰۲۲ء

جلد: ۱۰ | فی شمارہ Rs. 40/-

شمارہ: ۱۲۹ | سالانہ Rs. 400/-

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر : خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی • حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی • گرافک ڈیزائنر : طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی • دکتور عبید الرحمٰن مدنی • شیخ نورالحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبرشپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: • Current Account : ICICI Bank • Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 • IFSC Code : ICIC0001028 • Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل السنة
Ahlus Sunnah
اتباع الکتاب والسنة بفهم سلف الأمة

یہ مدرسہ ہے ترا میکدہ نہیں ساقی	رشید سمیع سلفی	05
دوران حمل ہمبستری کرنے پر حمل کی صحت وتندرستی میں اضافہ	کفایت اللہ سنابلی	10
غصہ کی خطرنا کیاں، اثرات وعلاج	محمد محبّ اللہ المحمدی	13
بندریا کے رجم سے متعلق روایت پر اعتراض کا جواب	شفیق عدیل محمدی	19
تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (دسویں قسط)	کفایت اللہ سنابلی	22
مدارس اسلامیہ: اہمیت وافادیت	محمد محبّ اللہ المحمدی	28
سلف صالحین کے نزدیک علماء اور اساتذہ کی تعظیم وتوقیر کے چند نمونے	مامون رشید سلفی	35
تاریخی روایات میں تساہل یا تثبت؟	کفایت اللہ سنابلی	45
نبی سے محبت کا پیمانہ	شفیق عدیل محمدی	46
دعوتِ دین کا میدان اور خواتین	ام حبان	47

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

یہ مدرسہ ہے ترا میکدہ نہیں ساقی

رشید سمیع سلفی

مدارس کی عظمت، اہمیت اور کارناموں کا معاملہ اس قدر عیاں اور بیاں ہے کہ اس پر مزید خامہ فرسائی تحصیل لا حاصل ہے، مدارس کی ایک شاندار تاریخ ہے جو اسلام کے ساڑھے چودہ سو سالہ فکری سرمایہ کی حفاظت وصیانت، تصادم اور کشمکش، نشر واشاعت کی ولولہ انگیز داستان ہے، ایک ایسے وقت میں جبکہ اسلامی فکر ومنہج پر چوطرفہ یلغار ہو رہی ہو، ایمان کے چمن پر ارتداد کا موسم اتر رہا ہو، اس کی ضرورت اور اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

مدارس کیا ہیں؟ قرآن کی آیت: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ کا اس روئے زمین پر حقیقی مصداق ہیں، یہ اس اسلامی تراث کے امین ہیں جسے نبی اور سلف نے آنے والی نسلوں کے سپرد کیا تھا، یہ "طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم" کا امتداد ہیں، یہ اس وصیت "اقرأ" کا عملی سفر ہے جسے لے کر جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے دل پر اترے تھے، یہ اس مشکاۃِ توحید کا عکس جمیل ہے جسے تاریخ میں "صفہ" سے موسوم کیا گیا۔

مدارس غیروں کی آنکھوں میں کیوں کھٹکتے ہیں؟ اس لیے کہ حق وباطل کے معرکے میں مدارس مقدمۃ الجیش کا رول پلے کر رہے ہیں، یہ اسلام کے پاسبان اور وحی آسمانی کے حقیقی امین ہیں، اگر یہ غیر مفید اور لایعنی ہوتے تو اسلام دشمنوں کو اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، مدارس دین اسلام کے لیے پاور ہاؤس کی حیثیت رکھتے ہیں، یہاں سے نکلنے والے فضلاء باطل قوتوں اور طاغوتی مقاصد کے لیے سب سے بڑا روڑا ہیں، مدارس کی ٹوٹی چٹائیوں پر وہ ہستیاں پروان چڑھی ہیں جنھوں نے اپنے زبان وقلم سے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کیا ہے، الحاد، دہریت، تشکیک، جدت پسندی، مادہ پرستی، اباحیت اوران جیسے تمام فتنوں کی سرکوبی واستیصال کے لیے یہی طبقہ سب سے پہلے کمربستہ ہوا ہے، اس لیے یہ ہمیشہ فرقہ پرستوں کے نشانے پر رہے ہیں، مدارس اپنے آغاز سے لے کر اب تک ایک غیر معمولی چیلنج سے گزر رہے ہیں، افسوس اس بات کا نہیں ہے کہ مدارس باطل قوتوں کی طرف سے مسلسل سازشوں اور جارحیت کا سامنا کر رہے ہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ مدارس اپنوں کی مخالفت اور ہرزہ سرائیوں سے بھی چوٹ کھاتے رہتے ہیں اور نت نئے دن ایک طبقہ ان پر اپنے ترکش خالی کرتا رہتا ہے، جن کی رگوں میں دوڑنے والے خون میں مدارس کا نمک شامل

ہے وہ بھی مشورے اور تجویز کے نام پر مدارس کے جسم وروح کو اپنے نشتر سے زخمی کرتے رہتے ہیں، کبھی نزلہ نصابِ تعلیم پر گرتا ہے، کبھی نظامِ تعلیم پر گہرافشانی کی جاتی ہے، کبھی ماڈرنائیزیشن اور تجدید کاری کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے اور اول تا آخر اس کے پورے خاکے کو تبدیل کرنے کی بات کی جاتی ہے، دراصل یہ مدارس کے تعلیمی سسٹم میں ایک ایسا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں جو آگے چل کر مدارس کی دینی روح کو دنیا کی چمک دمک میں گم کردے گا، تبدیلیوں کی یہ رت مدارس کو اس کے مقصد، اس کی ترجیحات اور اس کی روح سے بہت دور کردے گی، یونیورسٹیوں کی جو مخلوق یہ صدا بلند کررہی ہے، وہ خود اپنے تشخص، فکر اور کلچر سے بھٹک چکی ہے، مدارس کی نشانی کے نام پر ایک پلاسٹک نما داڑھی کی کالی پٹی رخساروں پر چپکائی ہوتی ہے باقی سب کچھ یونیورسٹی کی فضاؤں میں تحلیل ہو چکا ہوتا ہے، کچھ لوگ تو یہ بوجھ بھی برداشت نہیں کرپاتے اور اس کالی پٹی سے بھی آزاد ہوجاتے ہیں، پہلے سوال ان سے ہونا چاہیے کہ آپ اتنی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں، آپ کی زندگی میں اس علم کی باقیات کیا ہیں جو آپ نے مدارس میں آٹھ یا دس سال حاصل کیا تھا، جدید ماحول اور اس کی چمک دمک سے مرعوبیت کا انجام یہ ہوگیا کہ آٹھ سالہ مدرسے کی تربیت ان کے وجود میں پگھل کررہ جاتی ہے، مدرسے میں گزارا ہوا ان کا ماضی انہیں اپنی شخصیت پر ایک کلنک سا محسوس ہوتا ہے، کبھی کبھار تو یہ بھی چھپا جاتے ہیں کہ وہ کسی مدرسے کے پروڈکٹ ہیں، یہ تو مدرسے سے نکل کر مکمل بدل گئے اس لیے یہ مدارس کو بھی بدل دینا چاہتے ہیں تاکہ ثابت کرسکیں کہ ہم غلط نہیں ہیں۔

نازکیا اس پر جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

کاش مدارس کے یہ فضلاء یونیورسٹی میں اگر اپنے دین وکلچر کو بڑھاوا نہیں دے سکتے تھے تو اپنے وجود میں اس کو باقی تو رکھ پاتے، اپنی دانشوری مدارس پر بگھارنے کی بجائے وہاں کی لادینی ہواؤں کے لیے تریاق ثابت ہوتے، وہاں کی بے دینی اور اباحیت کے ازالے کے لیے کوئی ٹھوس اور منصوبہ بند کام کرتے، لیکچر میں پروفیسروں کے زہریلے الزامات کا منطقی جواب دے کر خاموش کرنے کی کوشش کرتے، ان کے ذہنوں میں پائے جانے والے انحرافات کا ازالہ کرنے کے لیے کوئی موثر اقدام کرتے، اپنے دینی تشخص کو جدید کلچر کی دہلیز پر بھینٹ چڑھانے کی بجائے اس کی بقاء کے لیے سب کچھ بھینٹ چڑھا دیتے، جو خود اپنے فکر وعمل کی حفاظت نہ کرسکے اور اس سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے وہ جب مدارس میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو بات مضحکہ خیز ہی لگتی ہے، ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے یونیورسٹی میں کیا تبدیلی پیدا کی؟ وہاں آپ نے اپنی نام نہاد دانشوری کا کون سا جادو جگایا؟ وہاں آپ نے مسلم طلبہ پر

کیا چھاپ چھوڑا اور غیر مسلم طلبہ میں آپ نے کیا قابلِ ذکر کام کیا؟ یا پھر وہاں سب سرسبز وشاداب ہے، وہاں کسی اصلاح اور ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔

مدارس کا مشن علوم اسلامیہ کی بقاء واشاعت اور اسلامی تشخص کی حفاظت ہے، وہ یہ کام بساط بھر کررہے ہیں، یہی نہیں بلکہ رزم اور بزم دونوں میدانوں میں انہوں نے دفاع حق کا محاذ سنبھالا ہے، صرف 1857 کی قربانیوں پر نظر ڈالیے تو پتہ چلے گا کہ دامے درمے قدمے سخنے اس طبقے نے رزم گاہوں میں بھی ملک وملت کی پاسبانی کی ہے۔

اب آیئے اس بات کا جائزہ لیں کہ مدارس میں موجودہ تبدیلی کے مضمرات کیا ہوں گے؟ سنیے، جو چند لوگ مدارس کا رخ کرتے ہیں ان میں بھی بس چند لوگ فراغت تک باقی رہ جاتے ہیں، ان میں بھی کچھ لوگ یونیورسٹی چلے جاتے ہیں، باقی جو رہ جاتے ہیں ان میں بھی کچھ لوگ دنیاوی میدانوں کا رخ کر لیتے ہیں، پھر ان چند لوگوں میں ان اعلیٰ دماغوں کا تناسب بہت کم ہوتا ہے جو دین ودعوت کے محاذ پر اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرسکیں، اسی لیے قحط الرجال کا بحران تمام دینی اداروں میں محسوس کیا جارہا ہے، فرمان رسول ﷺ ''یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ'' ''علم ختم ہوجائے گا علماء کے ختم ہوجانے سے'' میں جو بات کہی گئی ہے، اس سلسلے کی شروعات ہوچکی ہے، اب بچے کھچے طلباء کی تعداد میں بھی نقب لگانے کے لیے احباب پریشان ہیں، ان میں سے بھی ایک بڑی تعداد کو لوگ سندوں کو ٹین پلس ٹو کرکے میدان دعوت وتبلیغ سے اچک لینا چاہتے ہیں، جب سندوں کو سرکاری مانیتامل جائے گی تو کتنے لوگ آگے کی تعلیم مدرسہ میں پوری کریں گے؟ کیا یہ طلبہ بھی یونیورسٹی کے طلباء کی طرح دین ودعوت کو خیرباد نہیں کہیں گے؟ وہ بھی طلبہ ہوتے ہیں باہر کی ہریالی اور چمک دمک ان پر بھی اثرانداز ہوگی، پرکشش تنخواہ اور خوبصورت مستقبل کا دھوکہ انہیں بھی لگے گا، سندوں کو قانونی حیثیت دینے کے بعد کیا آپ نصاب تعلیم کو سرکاری تصرفات سے بچاپائیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹین پلس ٹو کے ساتھ گیتا اور یوگا بھی آپ پر تھوپ دیا جائے، کچھ اگر ان سے لیا ہے تو کچھ دینا بھی پڑ جائے، سرکاری اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے نتیجے میں اگر تمہارا احجاب کھٹک رہا ہے تو کیا مشکاۃ اور بلوغ المرام انہیں نہیں کھٹکے گا جو حجاب سے اوپر کی چیز ہے، اگر دیدۂ بینا ہے تو آج کا ڈسپلے بھی بہت کچھ بیان کررہا ہے، آسام کی صورتحال تو دگرگوں ہے، اب یوپی میں بھی رقوم زکوٰۃ سے بنے مدارس پر بہت کچھ تھوپنے کی تیاری شروع ہوچکی ہے، اب کون انہیں روک سکے گا؟ آپ نے فائدہ اٹھایا ہے تو قیمت تو ادا کرنی پڑے گی، ایک دن وہ بھی آئے گا کہ یہی دانشور کہیں گے، مدارس کے نصاب کو پڑھ کر مدارس کے طلبہ میں عصری مضامین کی صلاحیت معیار مطلوب پر نہیں ہوتی ہے، اس لیے نصاب پر نظر ثانی کرکے عصری مضامین کی صلاحیت کو یقینی بنایا جائے، پھر ٹین پلس ٹو کی برکت یہ ہوگی کہ اسلامی

اداروں میں دینی مضامین کا وہی حشر ہوگا جو عصری اداروں میں دینی مضمون کا حشر پہلے سے چلا آرہا ہے،رقوم زکوٰۃ سے بننے والے دینی اداروں میں دین یا تو خود اجنبی بن جائے گا یا شو پیس کی طرح رہ جائے گا،یعنی وہ آواز عمل کا روپ دھار چکی ہوگی جس کی بازگشت مسلسل یونیورسٹی کی چہار دیواری میں سنائی دیتی ہے۔

آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مادہ پرستانہ دانشوری کا سفر یہیں پر ختم ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں،کل کو یہ بھی کہا جائے گا کہ قوم کی گاڑھی کمائی سے تعمیر ہونے والا مسجد کا اسٹرکچر صرف جمعہ و جماعت کے لیے خاص ہو؟ اتنی بڑی عمارت صرف جز وقتی مصرف کے لیے رکھی جائے؟ مسجد کا اسٹرکچر عصری تعلیم کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے،شادی ہال کا بھی یہ کام دے سکتا ہے،بس نمازوں کے اوقات کا خیال کر لیا جائے،مساجد آخر قوم کے نونہالوں کی مصلحت اور پبلک کے مفاد میں نہیں استعمال ہوں گے تو یہ اور کس مرض کی دوا ہیں؟ پھر ایک طبقہ اس کی افادیت میں اردو اور انگریزی الفاظ کی ایسی کھچڑی پکائے گا کہ مسجدیں بھی داؤ پر لگ جائیں گی اور تعلیم کے نام پر تجارت مسجدوں میں فروغ پائے گی۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ آپ کے پاسپورٹ اور ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ کے مسئلے کے لیے دوسرے حل موجود ہیں،وہ استعمال کیجیے،مدارس کے ذمے داران طلبہ کو فاصلاتی تعلیم کی اجازت دیں اور امتحان کے لیے رخصت بھی دیں،بہت سے ادارے دے بھی رہے ہیں،یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ اپنی اس ضرورت کے لیے مدارس کو آزمائش میں ڈالیں جس کا متبادل آپ کے پاس موجود ہے،یہ آپ کا اپنا غم ہے اور مدارس پوری قوم کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہیں۔

میں وہ صاف ہی نہ کہہ دوں جو ہے فرق مجھ میں تجھ میں
ترا درد درد تنہا مرا غم غم زمانہ

اس پورے مقدمے کی بنیاد دنیاوی حرص و ہوس ہے،دین اور آخرت کا پہلو اس معاملے میں سرے سے مفقود نظر آتا ہے،جب کہ علم دین کا معاملہ اس عظیم جذبہ آخرت سے منسلک ہے جسے اللہ کی رضا اور خوشنودی کہا جاتا ہے،تاہم گزر بسر کے لیے انسان مال و منال سے بے نیاز نہیں ہوسکتا،لہٰذا علماء بھی بقدر ضرورت تنخواہ پاتے ہیں جسے بہت معقول تو نہیں کہا جاسکتا ہے لیکن بہت خراب بھی نہیں کہا جاسکتا ہے،دھیرے دھیرے دینی دائرے میں رہتے ہوئے ان کے لیے بھی راہیں کھل رہی ہیں،بعض علماء اپنی محنت اور صلاحیت کے ذریعے بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں، خوشحال اور آسودگی انہیں میسر ہے،لیکن سب کے حالات ایک جیسے نہیں ہیں،اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم ترک دنیا کی دعوت دے رہے ہیں،رہبانیت کو پرموٹ کر رہے ہیں،خدمت دین کے ساتھ ضرورت بھر رزق میسر آجانا یہ بہتر

ہے یا خدمت دین ودعوت جیسے انبیائی مشن سے لاتعلق ہوکر دنیا کسی کو مطمح نظر بنالینا اچھا ہے؟ اگر نبی اور خلفائے راشدین اور اصحاب صفہ نے زہد وقناعت کی زندگی کو ترجیح دی ہے تو ایک طبقے کو نبی کے اس اسوے پر قائم رہنے دیا جائے، طالبان علوم نبوت اس نبوی اسوے کے حقیقی امین ہیں جو احادیث میں بڑے تواتر سے بیان ہوئی ہیں، کئی دنوں تک نبی کے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا، دو کالی چیزوں کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا، حضرت عمر کے کپڑے میں بارہ پیوند ہوا کرتے تھے، کیا ان کی زندگیاں یکسر صرف کتابوں کے اوراق میں سمٹ جائیں گی؟ یا دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہیے جو ان مثالوں کے مصداق نظر آئیں، مانا کہ حالات اب بہت بدل چکے ہیں لیکن فراوانی کے اس ترقی یافتہ دور میں علماء کی معاشی ابتری انہی عظیم الشان مثالوں سے جوڑ کھاتی ہے، علم دین جیسے اخروی معاملے میں دنیاوی حرص وہوس کی وکالت کرنا اور دعوت دینا زندگی کے اصل مقصد سے چشم پوشی کرنا ہے، تاریخ کے ہر دور میں علم دین کی خدمت کے ساتھ فقر ومسکنت کو اپنا شعار بنایا گیا ہے، اس نبوی روایت کا یہی فطری تسلسل ہے جس کے چند نمونے ہر زمانے اور ہر دور میں زندگی کا حصہ نظر آتے ہیں، اس لئے یہ تجاویز اس نظام میں گھس پیٹھ کے ہم معنی ہے جو اللہ کی حکمت تخلیق کا حصہ ہے۔

خوبصورت مستقبل کا سبز باغ دکھا کر ایک بڑی تعداد کو اگر مدارس سے پھیر دیا گیا تو خدمت دین کے مناصب اور پیشۂ تدریس کے مسندوں کو ویران ہونے سے کون بچائے گا؟ کیا یہ فکر اور تشویش کی چیز نہیں ہے؟ کیا امامت، دعوت اور تدریس کے مناصب کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ عصری علوم کی فصل تو لہلہا رہی ہے، اس کے فضائل گنانے کی ضرورت نہیں ہے، لوگ جوق در جوق آ رہے ہیں، لمبی چوڑی فیسیں بھی دے رہے ہیں لیکن مدارس میں طلبہ کی گھٹتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اس طرح کی غیر دانشمندانہ بحثیں اندھیرے کو مزید گہرا کرتی ہیں، مدارس کے لیے ایک نئے بحران کو دعوت دیتی ہیں، مشورہ دینے والے یہ بھی تو مدنظر رکھیں کہ مدارس کے اہل حل وعقد بھی نزاکتوں کو سمجھتے ہیں، ان میں بھی تو مدارس کے معاملات ومسائل کو سمجھنے کی صلاحیت ہے، کیوں نا یہ معاملہ ان پر ہی چھوڑ دیا جائے، ان کے تئیں حسن ظن رکھا جائے، آپ ہمارے لیے مفت کے مشورے اس تحکم کے ساتھ دے رہے ہو کہ اس پر عمل درآمد ہونا چاہیے تو ہمارے بھی آپ کی نام نہاد دانش گاہوں کے بارے میں ملاحظات ہیں، کیا آپ کے ارباب حل وعقد ان کو خاطر میں لائیں گے، اگر نہیں تو آپ بھی یہ شعر گنگنایئے اور سوچئے کہ مدارس کو آپ کے نایاب مشوروں پر کیوں عمل کرنا چاہیے؟

یہ مدرسہ ہے ترا میکدہ نہیں ساقی
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

دوران حمل ہمبستری کرنے پر حمل کی صحت وتندرستی میں اضافہ

کفایت اللہ سنابلی

اگر حاملہ عورت سے وطی کی جائے تو نطفہ وخون کا اثر بچے پر پڑتا ہے، اب یہ نطفہ ڈائریکٹ بچہ پر اثر انداز ہوتا ہے یاماں کے جسم وخون میں اثر انداز ہونے کے بعد بچے پر بھی اثر ڈالتا ہے، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن حدیث سے اتنا تو طے ہے کہ حاملہ کے ساتھی وطی کرنے پر اس کے حمل پر نطفہ وخون کا اثر ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ يَعْنِي: إِتْيَانَ الْحَبَالَى“

”اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے کسی بھی شخص کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے سوا کسی اور کی کھیتی کو سیراب کرے، آپ ﷺ کا مطلب حاملہ لونڈی سے جماع کرنا تھا“ [سنن أبی داؤد:رقم :۲۱۵۸،وحسنه الالبانی]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس حدیث سے استدال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومن فوائد الحديث:”الإشارة إلى أن الجماع يزيد فی الحمل، لقوله:يسقی ماءه زرع غيره، ومعلوم أن الماء إذا سقى به الزرع فإن الزرع ينمو ويزداد“

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ:”دوران حمل ہمبستری سے حمل بڑھتا ہے، کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کے الفاظ ہیں: دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرے اور یہ بات معلوم ہے کہ پانی سے جب کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے تو کھیتی کی نشونما ہوتی ہے اور وہ بڑھتی ہے“[فتح ذی الجلال والإکرام بشرح بلوغ المرام ط المکتبة الإسلامیة:۱۲۹/۵]

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے، لکھتے ہیں:

”ومعلوم أن الماء الذی يُسقى به الزرع يزيد فيه، ويتكوّن الزرع منه“

”اور یہ بات معلوم ہے کہ جس پانی سے کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے اس سے کھیتی میں اضافہ ہوتا ہے اور کھیتی اس سے پھلتی پھولتی ہے“ [تهذيب سنن أبی داؤد:۴۶۰/۱]

ایک دوسری حدیث ہے:عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ:”عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ أَتَى بِامْرَأَةٍ مُجِحٍّ عَلٰى بَابِ فُسْطَاطٍ، فَقَالَ:لَعَلَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُلِمَّ بِهَا، فَقَالُوا:نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ لَعْنًا يَدْخُلُ مَعَهُ قَبْرَهُ، كَيْفَ يُوَرِّثُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟ كَيْفَ يَسْتَخْدِمُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟“

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:”نبی ﷺ (ایک غزوہ کے موقع پر) ایک خیمہ کے دروازے پر گزرے اور

وہاں ایک (حاملہ لونڈی) عورت کو دیکھا کہ قریب جننے کے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ شاید وہ شخص اس سے ارادہ جماع کا رکھتا ہے۔(یعنی جس کے پاس ہے) لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے چاہا کہ اس کو ایسی لعنت کروں جو لعنت قبر تک اس کے ساتھ رہے وہ کیونکر اس لڑکے کا وارث ہوسکتا ہے حالانکہ وہ اس کو حلال نہیں، اور اس لڑکے کو غلام کیسے بنا دے گا حالانکہ وہ اس کو حلال نہیں'' [صحیح مسلم :رقم :۱٤٤۱]

امام ابن القیم رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یعنی:''أنه إن استلحقه وشركه في ميراثه، لم يحل له، لأنه ليس بولده، وإن أخذه مملوكا يستخدمه لم يحل له لأنه قد شرك فيه لكون الماء يزيد في الولد''

یعنی:''اس حاملہ عورت کے حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا اگر اس نے اسے اپنا بیٹا اور وارث بنالیا تو یہ اس کے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ اس کا بچہ نہیں ہے (اس لیے کہ لونڈی اس کی ملکیت میں آنے سے قبل ہی حاملہ تھی)، اور اگر اس نے اس بچے کو غلام اور اپنا خادم بنالیا تو یہ بھی اس کے لیے جائز نہیں کیونکہ (اس کی ماں سے ہمبستری کے بعد) اس بچے میں اس کا خون بھی شامل ہوگیا ہے، اس لیے کہ حاملہ سے وطی کرنے کے بعد نطفہ حمل میں شامل ہوتا ہے''۔[زاد المعاد، ن مؤسسة الرسالة:۱٤۲/۵]

ایک دوسری کتاب میں امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:**''وقد دلَّت المشاهدةُ على أنَّ الحامل إذا وُطِئت كثيرًا جاء الولد عَبْلًا ممتلئًا، وإذا هُجِر وطؤها جاء الولد ضئيلًا ضعيفًا''**

''اور مشاہدہ بتلاتا ہے کہ جب حاملہ سے بکثرت جماع کیا جائے تو بچہ صحت منداور ہرا بھرا پیدا ہوتا ہے، اور جب حاملہ سے ہمبستری ترک کردی جائے تو بچہ کمزور ونحیف پیدا ہوتا ہے''[التبيان فی أيمان القرآن ـط عطاء ات العلم :۵۳۸/۱]

امام ابن القیم رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:

''لأنَّ الوطء يزيد في خِلْقَة الولد، كما قال الإمام أحمد:الوطء يزيد في سمع الولد وبصره ''

''حاملہ سے ہمبستری بچے کی صحت میں اضافہ کرتی ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ: دوران حمل ہمبستری سے بچے کی سماعت اور بصارت مضبوط ہوتی ہے''[التبيان في أيمان القرآن:۵۳۶/۱]

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ماقبل میں مذکور سنن ابی داؤد کی حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ کے قول کی دلیل قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: **قال الإمام أحمد:''الوطء يزيد في سمعه وبصره.وقد صرَّح النبيُّ ﷺ بهذا المعنى في قوله:لا يحلّ لرجلٍ أن يسقى ماءَه زرعَ غيرِه.ومعلوم أن الماء الذي يُسقى به الزرع**

يزيد فيه، ويتكوّن الزرع منه"

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ:"دوران حمل ہمبستری سے بچے کی سماعت وبصارت میں اضافہ ہوتا ہے،اور اللہ کے نبی ﷺ نے اسی مفہوم کی صراحت اپنی اس حدیث میں کی ہے کہ: کسی بھی شخص کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے سوا کسی اور کی کھیتی کو سیراب کرے،اور یہ بات معلوم ہے کہ جس پانی سے کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے اس سے کھیتی میں اضافہ ہوتا ہے اور کھیتی اس سے پھلتی پھولتی ہے" [تهذيب سنن أبي داؤد: ٤٦٠/١]

مذکورہ تفصیل سے شریعت کے اس حکم کی حکمت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حاملہ عورت سے وضع حمل سے قبل شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ ماقبل میں مذکور صحیح مسلم کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفي هذا دلالة ظاهرة على تحريم نكاح الحامل سواء كان حملها من زوج أو سيد أو شبهة أو زنى"

"اس حدیث میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حاملہ عورت سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ اس کا حمل شوہر سے ہو،یا آقا سے ہو،یا شبہ سے ہو(یعنی انجانے میں اس کے ساتھ کسی نے وطی کی ہو)،یا زنا سے ہو" [زاد المعاد، ن مؤسسة الرسالة:١٤٢/٥]

یادرہے کہ اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا گیا اور پھر اسے حمل ٹھہر گیا تو وضع حمل (یعنی بچے کی پیدائش) سے پہلے اس عورت سے وہ زانی بھی شادی نہیں کرسکتا جس کے نطفہ سے یہ حمل ٹھہرا ہے۔

کیونکہ مذکورہ حکم کے عموم میں یہ بھی شامل ہے نیز زانیہ کا حمل حرام نطفے کا ہوتا ہے اور اس حالت میں اس کے ساتھ شادی کی جائے گی تو اس کے ساتھ حلال نطفے کا اختلاط ہوگا اور بچہ حرام اور حلال خون کا مجموعہ ہوگا اس بنا پر بھی یہ شادی جائز نہیں ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض وہ اہل علم جو عدم تنازع کی صورت میں زنا سے نسب کو ثابت مانتے ہیں وہ بھی زانیہ حاملہ سے اس کے زانی کی شادی وضع حمل سے پہلے جائز نہیں مانتے تاکہ حرام اور حلال خون کا اختلاط نہ ہو۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ جو عدم تنازع کی صورت میں نسب کے اثبات کو ترجیح دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"ولأنّ ماء الزاني وإن لم يكن له حُرمة فماء الزوج محترم، فكيف يسوغ له أن يخلطه بماء الفجور؟"

"کیونکہ زانی کے نطفہ (خون) کا گرچہ کوئی احترام نہیں ہے لیکن شوہر کا نطفہ (خون) قابل احترام ہے،تو شوہر کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ حرام نطفہ (خون) کے ساتھ اپنے حلال نطفہ (خون) کو خلط ملط کرے" [تهذيب سنن أبي داؤد-ط عطاء ات العلم: ٤٥٣/١]

مالکیہ اور حنابلہ کی یہی رائے ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابن القیم، شیخ بن باز اور شیخ البانی رحمہم اللہ وغیرہم کی بھی یہی رائے ہے اور ہماری نظر میں یہی بات راجح ہے۔ واللہ اعلم

غصہ کی خطرناکیاں،اثرات وعلاج

محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی

غصہ کو عربی زبان میں غضب کہتے ہیں،ابن فارس ’’معجم مقاییس اللغۃ‘‘ میں لکھتے ہیں:

الغين والضاد والباء أصلٌ صحيح يدلُّ على شدَّة وقُوّة.يقال: إنَّ الغَضْبة:الصَّخرة الصُّلبة. قالوا: ومنه اشتُقَّ الغَضَب، لأنَّه اشتدادُ السُّخط . يقال: غَضِب يَغْضَبُ غَضَباً، وهو غضبانُ وغَضُوب .ويقال: غَضِبْتُ لفلانٍ، إذا كان حيّاً، وغضبت به، إذا كان ميّتا.قال دُرَيد: أنَّا غِضابٌ بمعبدِ. ويقال:إنَّ الغَضُوب:الحيَّة العظيمة.

یعنی،غضب کا لغوی معنیٰ قوت وشدت کے ہیں،اور سخت چٹان کو غضبہ کہا جاتا ہے،کیونکہ اس میں زیادہ سختی ہوتی ہے،اسی سے غضب کا لفظ مشتق ہے اس لیے کہ اس میں سخت ناراضگی وخشمنا کی ہے،اور اصطلاح میں غصہ کہتے ہیں:

’’ثوران دم القلب وغليانه لإرادة الإنتقام‘‘ ’’انتقام کے جذبے سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش مارنا‘‘

محمد بن اسماعیل صنعانی رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

’’والغضب غريزة فى الإنسان فمهما قصد او نوزع فى غرض ما اشتعلت نار الغضب وثارت حتى يحمر الوجه والعينان من الدم لأن البشرة تحكى لون ماوراء ها وهذا اذا غضب على من دونه واستشعر القدرة عليه وإن كان ممن فوقه تولد منه انقباض الدم من ظاهر الجلد إلى جوف القلب فيصفر اللون خوفا وان كان على النظير تردد الدم بين انقباض وانبساط فيحمر ويصفر والغضب يترتب عليه تغير الباطن والظاهر‘‘

’’غیظ وغضب،اور غصہ کرنا یہ انسان کی فطرت وجبلت ہے،لہٰذا جب کسی وجہ سے نزاع ہو یا ان بن سی کیفیت ہو تو غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور انتقامی جذبہ شعلہ زن ہو جاتا ہے یہاں تک کہ چہرہ اور دونوں آنکھ خون سے سرخ ہو جاتے ہیں،اس لیے کہ جلد یا چمڑا یا ظاہری سطح کی چیز اس رنگ میں رنگ جاتی ہے جو اس کے باطن وداخل میں ہوتے ہیں،اور سرخ رنگ کی یہ تبدیلی اس حالت میں ہوتی ہے جب اپنے ماتحت،نیچے چھوٹے یا اپنے سے کمزور ہو،اور اگر اپنے سے بڑے شخص پر غصہ آئے تو چمڑے کے ظاہری حصہ سے لے کر اندر تک خون میں سکڑن وانقباض آ جاتا ہے اور خوف سے زرد رنگ میں رنگ جاتا ہے،اور اگر اپنے ہمسر اور کفو وبرابری والے انسان پر غضبناک ہو تو خون

میں انقباض وانبساط دونوں کیفیت ہوتی ہیں، لہٰذا کبھی سرخ رنگ تو کبھی زرد رنگ میں مصبوغ ہوتا ہے، اور ایک بات یہ بھی جان لیجیے کہ غصہ کے آثار ظاہری و باطنی دونوں شکل میں مترتب ہوتے ہیں، ظاہر ہوتے ہیں'' [سبل السلام: ١٥٦٧/٤]

محترم قارئین: غصہ کرنے سے دل میں کینہ پیدا ہوتا ہے، جلن کڑھن جنم لیتا ہے، لوگوں میں حسد ونفرت اور سب شتم ہونے لگتی ہے، بغض وحقد، عداوت، دشمنی، جھگڑا، دنگا، دھینگا مشتی اور سر پھٹول ولڑائی ہوتی ہے، انسان ایک دوسرے سے مقاطعہ کرتا ہے، شوہر اپنی بیوی سے ناراض ہوکر طلاق دے دیتا ہے، مار پیٹ یہاں تک کہ قتل کی نوبت آجاتی ہے، انسان اپنے بال بچوں اور اہل وعیال کے لیے بددعا کرنے لگتا ہے، اور کبھی اس کی بددعا قبولیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے، پھر تو بددعا گو کو ندامت وپشیمانی ہوتی ہے، غصہ کی حالت میں قسم کھانے والا جب اپنی قسم کو پورا نہیں کرتا تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے اہل علم کا یہی قول ہے۔

محترم قارئین: غصہ پر قابو پانا سب سے بڑی بہادری ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ:

﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾

''اور جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کردیتے ہیں'' [الشوری:٣٧]

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر یہ صفت بیان کی ہے کہ:

''وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ'' ''اور وہ غصہ پی جانے والے ہیں'' [آل عمران:١٣٤]

ایک روایت ہے: عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ اللّٰهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ مَا شَاءَ''

''یعنی کہ جو شخص غصہ پی گیا حالانکہ وہ اسے نافذ کرنے کی طاقت بھی رکھتا تھا تو روزِ قیامت اسے تمام مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دیا جائے گا کہ جو چاہے جنتی عورت پسند کرلے'' [سنن ابی داؤد :٤٧٧٧]

غصہ قلب وضمیر میں شعلہ کی مانند ہے، غصہ جب حد سے بڑھ جائے تو سخت ٹینشن آجاتا ہے، بلڈ پریشر ہائی ہوجاتا ہے، جسم پھول جاتا ہے، رگ پھڑ پھڑانے لگتا ہے، جسم کا ایک ایک بال کھڑا ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی تو انسان مرجاتا ہے یا خطرناک امراض سے دوچار ہوجاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے غصہ کے نقصانات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَوْصِنِی، قَالَ:لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ:"لَا تَغْضَبْ"

ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر فرمایا، مجھے کچھ وصیت فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ مت کرو، اس نے بارہا اسی جملہ کو دہرایا، آپ ﷺ نے فرمایا: "غصہ نہ کرو" [صحیح البخاری:٦١١٦]

معزز قارئین: یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور انتہائی اہم ہے، ذیل میں علماء کے اقوال ملاحظہ فرمائیں،

قال الجردانی رحمه اللّٰه:"إن هذا الحديث حديث عظيم، وهو من جوامع الكلم،لأنه جمع بين خيرى الدنيا والآخرة"

"یقیناً یہ حدیث انتہائی عظیم الشان حدیث ہے، اور یہ جوامع الکلم میں سے ہے، اس لیے کہ اس میں دنیا وآخرت دونوں جہاں کے خیر وبرکت کو جمع کردیا گیا ہے" [الجواهر اللؤلؤية شرح الأربعين النووية :١٥٤]

قال ابن التين رحمه اللّٰه:" جمع فی قوله(لا تغضب) خير الدنيا والآخرة،لأن الغضب يؤول إلى التقاطع ومنع الرفق، وربما آل إلى أن يؤذی المغضوب عليه، فينقص ذلک من الدين "

ابن التین رحمہ اللہ کہتے ہیں: "کہ اس حدیث کے لفظ "لاتغضب" یہ مشار الیہ ہے کہ دنیا وآخرت کی بھلائی غصہ نہ کرنے ہی میں ہے، اس لیے غضب کے نتائج تقاطع وتدابر قطع رحمی، اور احسان وبھلائی نہ کرنا ہے، اور بعض دفعہ توغاضب مغضوب کو تکلیف دینے لگتا ہے اور چوٹ پہنچاتا ہے، اور یہ چیزیں ان کے دین میں نقصان وکمی کا باعث ہوجاتی ہے" [فتح الباری:٥٣٦/١٠]

قال ابن حجر الهيتمی رحمه اللّٰه:"هذاالحديث من بدائع جوامع كلمه التی خص بها صلى اللّٰه عليه وسلم"

"یہ حدیث عمدہ جوامع الکلم میں سے ہے جس کی تخصیص رسول اللہ ﷺ نے کی ہے" [فتح المبین:١٣٨]

قال الفشنی رحمه اللّٰه:"هذا الحديث عظيم يتضمن دفع أكثر شرور الإنسان، لأن الشخص فی حال حياته بين لذة وألم، فاللذة سببها ثوران الشهوة أكلا وشربًا وجماعًا ونحو ذلک، والألم سببه ثوران الغضب، فإذا اجتنبه يدفع عنه نصف الشر، بل أكثر"

"یہ عظیم حدیث متضمن ہے انسانوں کے بہت سارے شرور وخسیس عادتوں کوختم کرنے میں، اس لیے کہ انسان کی زندگی میں دوحالت ہوتی ہے یا تو وہ لذت وبہجت فرح وسرور میں ہوتا ہے یا وہ دکھ والم قلق وغم میں ہوتا ہے، چنانچہ

لذت ولطف اکل وشرب چٹورپنی وجماع اوردیگر چیزوں کی خواہشات کے مشتعل ہونے کے سبب ہوتا ہے۔

اوردکھ والم، حسرت ویاس کا سبب غیض وغضب کا مشتعل ہونا ہے، لہٰذا اگر کوئی انسان غصہ سے دور رہے تو آدھا بلکہ اس سے زیادہ شر اس سے دفع ہوجائے گا'' [المجالس السنية:٩٦]

قال المناوى رحمه الله:''حديث الغضب هذا ربع الإسلام؛ لأن الأعمال خير وشر، والشر ينشأ عن شهوة أو غضب، والخير يتضمن نفى الغضب، فتضمن نفى الشر، وهو ربع المجموع''

امام مناوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:''کہ یہ حدیث ربع الاسلام (اسلام کا چوتھائی) ہے، اس لیے کہ اعمال خیر وشر دونوں طرح کے ہوتے ہیں، لہٰذا شر کا وجود شہوت یا غضب سے ہوتا ہے، اور خیر تو غضب کے نفی ہے، چنانچہ شر کی نفی ہوگئی'' [فيض القدير:٥٣٧/٦]

ونقل ابن حجر رحمه الله عن بعضهم قال :''تفكرت فيما قال: أى قول النبى صلى الله عليه وسلم:(لا تغضب) فإذا الغضب يجمع الشر كله''

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے:''کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول ''**لاتغضب**'' پر غور کیا تو پتہ چلا کہ تمام شر کا جامع غیظ وغضب ہے''

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ معاشرہ وسماج میں بڑھتی ہوئی نفرتوں، عداوتوں، کدورتوں کا سبب غصہ ہے، طیش ہے، غیظ وغضب ہے۔ دیکھئے کہ آج سماج کدھر جارہا ہے! انحطاط وپستی زوال اور تباہی کے کگار پر ہے، کمزوروں اور ضعیفوں پر کس قدر چیرہ دستیاں ہورہی ہیں، بیٹا باپ پر غصہ کرکے قطع تعلق کررہا ہے، باپ بیٹے سے الگ ہورہا ہے، خاندانوں، رشتے داروں میں ذرا سی بات پر غیظ وغضب کا کس قدر طوفان!

سریع الغضب، غضوب، بات بات پر منہ بنانے اور پیٹ پھلانے والے انسان بہت ملیں گے لیکن سریع الفیئہ والرجوع والے، مصالحت اور صلح وصفائی والے خال خال ہی ملیں گے، غصہ کرکے سماج میں فوضویت، بے قدری، ادھم مچانا شور وغوغا کرنا یہ آج کے نوجوانوں کا مشغلہ بن گیا ہے۔ ھداھم اللہ

غصہ کا علاج :

علاج ودوا کی دو قسمیں ہیں:

دوا دافع یعنی وقوع سے قبل ہی اس کو دفع کردینا۔

جیسے غصہ کو پی جانا، ضبط کرلینا، روک لینا اور اسی طرح غصہ کو چھپالینا، اندر ہی اس کو مسل دینا، ختم کردینا۔

اور ایک ہے دواء رافع یعنی بعد الوقوع کیسے دفع کیا جائے؟

درج ذیل امور پر غور کریں اور اس پر عمل کریں۔

۱۔ اللہ کا ذکر:

ذکر واذکار سے انسان میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے، اور اللہ کی فرمانبرداری ہوتی ہے، اور اس کا غصہ کافور ہو جاتا ہے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ﴾ ''جب بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرو'' [الكهف: ٢٤]

اس آیت کی تفسیر میں عکرمہ رحمہ اللہ نے نسیان کا معنی غصہ بیان کیا ہے، یعنی جب تم غصہ میں ہو اور اس کے اثر کو زائل کرنا چاہو تو اپنے پروردگار کو یاد کرلیا کرو۔

۲۔ غصہ ضبط کرنے والی آیتوں اور احادیث پر غور وفکر کرنے سے بھی غصہ زائل ہو جاتا ہے:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''مجھے کوئی ایسا عمل بتادیں جو مجھے جنت میں داخل کردے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''غصہ نہ کرو تمہارے لیے جنت ہے'' [طبرانی: ٢/٢٠١١]

۳۔ انسان اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا رہے:

بایں طور پر کہ غصہ ور انسان اپنے آپ سے یہ کہے میں فلاں انسان پر جس طرح غصہ ہوں اس سے بڑھ کر رب تعالیٰ مجھ پر غصہ ہوگا اور میں اس کے عذاب کی لپیٹ میں آ جاؤں گا، جب غصہ ور کی فکر یہ ہوگی تو وہ اپنی اس قبیح عادت سے باز آ جائے گا۔

۴۔ انسان اپنے بالمقابل کے انتقام پر غور وخوض کرے:

اور اپنی کہی ہوئی بات پر کہ ہم کسی سے کم نہیں یا پدرم سلطان بود، تو دوسرا انسان جس سے وہ غصہ میں آ کر انتقام لینا چاہتا ہے، وہ بھی انتقام لینے والے سے تو کسی قسم کی بات کہہ سکتا ہے بدلہ لینے کا موقع تلاش کرسکتا ہے، ایسی صورت میں انسان اپنے غصہ پر قابو پا لے گا۔

۵۔ جب کسی انسان کو غصہ آئے تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگے:

چنانچہ بخاری شریف میں سلیمان بن صرد سے ایک حدیث مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ دو آدمی اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے گالی گلوچ کررہے تھے اور ہم لوگ آپ ﷺ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی جو اپنے ساتھی کو گالی

دے رہا تھا، اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک کلمہ معلوم ہے اگر یہ شخص اس کلمہ کو پڑھ لیتا تو اس کا غصہ کافور ہو جاتا اور وہ کلمہ یہ ہے: ''**أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم**'' صحابہ نے اس آدمی سے جب یہ کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو فرمایا کیا تم نے نہیں سنا؟ اس شخص نے کہا کہ میں پاگل اور مجنوں تھوڑے ہی ہوں کہ اس کلمہ کو پڑھوں۔[صحيح البخاری:٦١١٥]

۶۔ غصہ کی حالت میں انسان عقل سلیم سے کام لے اور انجام کو مدنظر رکھے، شیطان کے فتنہ سے نجات ملے گی۔

۷۔ غصہ کرنے والا انسان اپنی حالت کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے:

اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، اگر غصہ رخصت نہ ہو تو وضو کرے اور ناک میں پانی ڈالے، اور اگر اس پر بھی غصہ کنٹرول میں نہ آئے تو جگہ بدل لے، کہیں چلے جائے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ غسل کرلے۔

فأخرج ابن عساکر موقوفاً:''الغضب من الشیطان والشیطان خلق من النار والماء یطفء النار فإذا غضب أحدکم فلیغتسل''[سبل السلام:٤/١٥٦٨]

۸۔ غصہ کے وقت انسان خاموشی اختیار کرے:

اور یہ غصہ کا بہترین علاج ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم سے کسی شخص کو غصہ آئے تو وہ خاموش رہے''

[مسند احمد: ٢٠٢٩]

یقیناً انسان کو جب غصہ آتا ہے تو بہت کچھ رف اور ٹف واُول فول بول جاتا ہے پھر وہ نادم ہوتا ہے۔

۹۔ غصہ کرنے والا عفوودرگزر کرنے کے ثواب کو یاد کرے:

ایسا کرنے سے غصہ کی تباہی سے نجات پائے گا، حدیث میں ہے: ''کہ طاقتور وہ نہیں جو کشتی کے وقت اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے، بلکہ طاقتور وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پالے اور غصہ کو ترک کردے''[بخاری:٦١١٤]

۱۰۔ غصہ کرنے والا اپنا چہرہ بوقت غصہ آئینہ میں دیکھے کہ وہ کس قدر بدصورت، ابشع اور بگڑا ہوا نظر آ رہا ہے:

اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کے چہرے کی بدصورتی بہر حال اسے کسی حد تک غصہ کرنے سے روکے گی۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ اپنے اندر ایسی عادت پیدا کریں جس سے حتی الوسع غصہ وناراضگی سے بچا جا سکے، مثلاً، عفو و درگزر، صبر واستقامت، حلم وبرداشت اور ہر حال میں خوش رہنا وغیرہ، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

بندریا کے رجم سے متعلق روایت پر اعتراض کا جواب

شفیق عدیل محمدی

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، قَالَ: ”رَأَيْتُ فِي الجَاهِلِيَّةِ قِرْدَةً اجْتَمَعَ عَلَيْهَا قِرَدَةٌ، قَدْ زَنَتْ، فَرَجَمُوهَا، فَرَجَمْتُهَا مَعَهُمْ“.

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ: ”جاہلیت میں مَیں نے دیکھا کہ ایک بندریا جس نے زنا کیا تھا دوسرے بندروں نے اکٹھے ہوکر اسے سنگسار کیا، میں نے بھی ان کے ساتھ اس بندریا کو سنگسار کیا“۔

صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۸۴۹ پر یہ اثر صحیح سند سے موجود ہے۔ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک بندریا نے غیر بندر سے زنا کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے بندروں نے اسے رجم کر دیا۔

مذکورہ اثر کے حوالے سے ملحدین کی طرف سے چند اعتراضات کھڑے کیے جاتے ہیں، ان اعتراضات کے جوابات سے پہلے چند سطر کی یہ تمہیدی باتیں بغور پڑھیں:

”یاد رہے کہ تابعی کی یہ روایت نہ قولِ رسول ہے اور نہ قول صحابی ہے بلکہ صرف مخضرم تابعی کا قول ہے۔ اور بنیادی طور سے یہ بات معلوم ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ کا ذکر حیوان کو مکلّف ٹھہرانے کے لیے نہیں کیا بلکہ یہ ثابت کرنے کے لیے کیا ہے کہ عمرو بن میمون مخضرم تابعی ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت کو ”التاریخ الکبیر“ میں عمرو بن میمون کے ترجمے کے تحت ذکر کیا ہے اور اہل فن اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تراجم کی کتابوں میں احادیث و روایات کے ذکر سے ترجمہ ہی کے متعلق کوئی اطلاع بہم پہنچانا مقصود ہوتا ہے“۔

اب آئیے مذکورہ اثر کے حوالے سے ملحدین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

اعتراض(۱): اس اثر کی بنا پر ملحدین کا اعتراض یہ ہے کہ اسلام کیسا مذہب ہے کہ جانوروں میں بھی زنا پر رجم کا حکم صادر کرتا ہے؟ یا اسلام نے زانی بندر کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے مذکورہ اثر میں اس بات کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا ہے کہ نعوذ باللہ اسلام نے جانوروں یا بندروں کو زنا کی وجہ سے رجم کا حکم یا آرڈر پاس کیا ہے، بلکہ اثر کو بغور پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں صرف اور صرف عمرو بن میمون کے زمانۂ جاہلیت کا ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے، کہ وہ اتنے جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے کہ زانی بندر کو

بھی اگر زنا کرتے دیکھ لیں تو اسے مارنے لگتے تھے۔اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے ''باب القسامہ فی الجاہلیہ'' میں اس واقعہ کو جگہ دی ہے۔

اعتراض(۲): اعتراض یہ ہے کہ عمرو بن میمون کو کیسے معلوم ہوا کہ زنا کی وجہ سے ہی اس بندریا کو رجم کیا گیا؟

جواب: عمرو بن میمون کو کیسے معلوم ہوا؟ یہ جاننے کے لیے مذکورہ اثر کی تشریح فتح الباری (۱۶۰/۷) کے حوالے سے پڑھیں تو بات بالکل واضح ہو جائے گی۔تشریح یہ ہے: کہ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ایک بندریا ایک بندر کے ساتھ تھی، اچانک اُس سے چھوٹا ایک بندر آیا اور اس بندریا کو چمٹالیا، اس بندریا نے اپنا ہاتھ پہلے بندر کے سر کے نیچے سے آہستہ سے نکالا اور دوسرے بندر کے سنگ چل دی، جانے کے بعد بدکاری کی اور واپس آکر پہلے بندر کے خدّ کے نیچے آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھا جس کی وجہ سے پہلا بندر جاگ گیا، تو وہ چلّایا اور دیگر بندروں کو اکٹھا کیا اور اس بندریا کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ سارے بندروں نے اس کو ایک گڑھا کھود کر رجم کر دیا۔راوی کہتے ہیں کہ جسے میں نے بنی آدم کے علاوہ میں رجم کو دیکھا۔**عن عمرو بن ميمون قال كنت في اليمن في غنم لأهلي وانا على شرف فجاء قرد مع قردة فتوسد يدها فجاء قرد أصغر منه فغمزها فسلت يدها من تحت رأس القرد الأول سلا رقيقا وتبعته فوقع عليها وأنا أنظر ثم رجعت فجعلت تدخل يدها تحت خد الأول برفق فاستيقظ فزعا فشمها فصاح فاجتمعت القرود فجعل يصيح ويومء إليها بيده فذهب القرود يمنة ويسرة فجاؤوا بذلك القرد أعرفه فحفروا لهما حفرة فرجموهما فلقد رأيت الرجم في غير بني آدم.**

اعتراض(۳): اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بندر جیسے جانور زنا پر رجم کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ سمجھ سے باہر کا معاملہ ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز ہماری سمجھ اور عقل میں سما ہی جائے ایسا نہیں ہے۔ بسا اوقات کچھ نادر چیزیں غیر انسانی مخلوقات میں سے چند ایک مخلوق سے سرزد ہو جاتی ہیں، جو ہماری سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔جس کی گواہی آج کے سوشل میڈیائی دور میں مختلف جانوروں کی مختلف ریکارڈیڈ ویڈیوز ہیں، بہت ساری ویڈیوز آج جانوروں کے حوالے سے ایسی دیکھنے کو ملتی ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہوتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ حرکت ان جانوروں سے سرزد ہوئی ہے۔ مثلاً ایک بلی دروازے کی کنڈی کھول دیتی ہے۔تو کیا اب اس بات کا انکار اس لیے کر دیا جائے کہ اور بلیاں ایسا نہیں کرتی ہیں تو یہ بھی نہیں کر سکتی ہے؟ نہیں۔اس چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسا کرنا کچھ بلیوں سے ممکن ہے۔

ایسے ہی گرچہ دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ بندر یا کوئی جانور بدکاری پر رجم نہیں کرتے، لیکن کبھی کسی جانور سے ایسا نہ ہو ایسا نہیں کہا جاسکتا ہے، کبھی کبھار خرق عادت کوئی معاملہ ہوجاتا ہے جیسا کہ مذکورہ اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ بندروں نے بندریا کو زنا کی وجہ سے رجم کیا۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ یہ رجم کا معاملہ بندر جیسے جانوروں سے ہوا ہے جن کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں کہ یہ دیگر جانوروں کے مقابلہ بہت حساس، چالاک، عقل منداور باغیرت ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ بھی انسانوں سے ملتی جلتی ہے۔اس لیے ان کے یہاں غیرت کا پایا جانا اور زنا جیسے جرم پر رجم کا معاملہ درپیش ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے۔

اعتراض (۴): اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ کیا بندروں کے لیے بھی نکاح، طلاق اور حدو تعزیر لاگو ہے؟ اگر نکاح نہیں تو زنا نہیں، جب زنا نہیں تو رجم کیوں؟

جواب: نہیں بندروں کے لیے نکاح، طلاق اور حدو تعزیر کی بات اسلام نہیں کرتا ہے کیونکہ وہ جانور ہیں انسان یا جن نہیں۔

لیکن مذکورہ اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ بندروں نے زانی بندر اور بندریا کو رجم کیا، اس کے بہت سارے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ بندروں کی شکل میں وہ جن تھے اور جن بھی شریعت کے مکلّف ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن عبد البر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندر جن تھے۔(دیکھئے: فتح الباری: ۱۶۰/۷)

جنوں کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے۔(دیکھئے: سورۃ الاحقاف: آیت: ۲۹) وغیرہ

کیا منکرین سزائے رجم کو اس بات پر اعتراض ہے کہ جنوں نے زنا کرنے والی جنی (مادہ جن) کو کیوں رجم کردیا تھا؟ تو کیا جن مکلّف مخلوق نہیں ہیں؟

موضوع سے متعلق ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ: ص ۳۹۔۴۱'' کے حوالے سے چند تنبیہات ملاحظہ فرمائیں:

تنبیہ:۱۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا صحیح ومتواتر احادیث سے ثابت ہے۔(دیکھئے: صحیح بخاری: ۶۸۱۴، صحیح مسلم ۱۷۰۲)

تنبیہ: ۲۔ جنوں کا جانوروں کی شکل اختیار کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً: (دیکھئے: صحیح مسلم: ح: ۲۲۳۶ و ترقیم دار السلام: ۵۸۳۹)

تنبیہ: ۳۔ بندر کی شکل اختیار کیے ہوئے زانی جن کی حمایت میں یہ کہنا کہ بندر بیچارے پر زیادتی کی ہے تو ایسے شخص کو زنا کرنے والے جنوں (اور زانی انسانوں) کے حامی کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ منکرین حدیث کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ان کے نزدیک جنوں کے لیے زنا کرنا معاف ہے!

(دسویں قسط)

تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

کفایت اللہ سنابلی

(ب): متن میں اضطراب کا دعویٰ

ابو العباس القرطبی (المتوفی ٦٥٦) کا اعتراض:

ابوالعباس القرطبی نے زیر بحث روایت کی سند پر جو اعتراض کیا تھا اس کا جواب سند کی بحث میں دیا جا چکا ہے، انہوں نے اس کے متن میں بھی اضطراب کا اعتراض کیا ہے، چنانچہ موصوف نے سنن ابی داؤد سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پیش کی جس میں غیر مدخولہ کا ذکر ہے اس کے بعد فرماتے ہیں:

”فقد اضطرب فيه أبو الصهباء عن ابن عباس في لفظه كما ترى“

”اس میں ابوالصہباء ابن عباس کے الفاظ بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں“[المفهم للقرطبي:۷۹/۱۳]

عرض ہے کہ:

یہ غیر مدخولہ والی روایت ثابت ہی نہیں ہے، بلکہ ضعیف و مردود ہے، لہٰذا ایک ضعیف و مردود روایت کو لیکر اضطراب کا اعتراض کرنا باطل ہے۔ اس غیر مدخولہ والی روایت پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔ واضح رہے کہ ابوالصہباء نے کسی بھی سند میں اس روایت کو ابن عباس سے بیان نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے صرف سوال کیا تھا اور اصل حدیث کو امام طاؤس نے ہی بیان کیا ہے، جیسا کہ سند کی بحث میں ہم نے ابوالعباس القرطبی کی اس غلط فہمی کی تردید کر دی ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۵۰) فرماتے ہیں:

”ومن الأجوبة دعوى الاضطراب كما زعمه القرطبي في المفهم، وهو زعم فاسد لا وجه له“

”اس حدیث کا ایک جواب دیتے ہوئے اس میں اضطراب کا دعویٰ کیا گیا ہے، جیسا کہ قرطبی نے المفہم میں گمان کیا ہے اور یہ گمان فاسد ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے“[نيل الأوطار:٦/٢٧٧]

تنبیہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابوالعباس القرطبی سے اضطراب کا اعتراض نقل کرتے ہوئے کہا:

”قال القرطبي في المفهم وقع فيه مع الاختلاف على بن عباس الاضطراب في لفظه وظاهر سياقه يقتضي النقل عن جميعهم ......“

"قرطبی نے "المفہم" میں کہا ہے کہ اس روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے میں اختلاف کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ میں اضطراب بھی واقع ہوا ہے اور اس کے سیاق کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ بات اس وقت کے تمام لوگوں سے نقل ہونی چاہیے......" [فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة: ۹/ ۳٦٤]

عرض ہے کہ:

ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل میں چوک ہوئی کیونکہ ان الفاظ میں اضطراب کا اعتراض نہیں بلکہ تفرد کا اعتراض ہے جیسا کہ ابوالعباس القرطبی کی کتاب میں ہے بلکہ ان الفاظ سے پہلے ابوالعباس القرطبی نے صاف لفظوں میں لکھا ہے:

"لو سلمنا سلامته من الاضطراب ......"

"اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ حدیث اضطراب سے محفوظ ہے یعنی مضطرب نہیں ہے تو......" [المفهم للقرطبی: ۱۳/ ۸۱]

اس کے بعد ابوالعباس نے مذکورہ اعتراض پیش کیا ہے جس سے واضح ہے کہ ان الفاظ میں اضطراب کا اعتراض نہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر تفرد کا اعتراض ہے اور اس کا جواب شروع میں دیا جا چکا ہے۔

❁ بعض معاصر دیوبندی حضرات کا اعتراض:

❁ عصر حاضر کے بعض دیوبندی حضرات اس روایت پر اضطراب کا اعتراض اس طرح کرتے ہیں کہ:

ایک روایت میں عہد فارقی کی مدت ذکر نہیں ہے۔

ایک روایت میں عہد فاروقی کے تین سال کا ذکر ہے۔

ایک روایت میں عہد فاروقی کے دس سال کا ذکر ہے۔

جواباً عرض ہے کہ:

❁ اولاً:

اگر بالفرض اس کو اضطراب مان بھی لیں تو اس روایت میں صرف عہد فاروقی کی مدت کی مقدار والی بات مضطرب ہوگی باقی عہد فاروقی کا ذکر نیز روایت کے دوسرے حصوں کا ثبوت برقرار رہے گا کیونکہ ان میں ساری روایات کا متن یکساں ہے، اور یہ یکساں متن ہی محل شاہد ہے جو کہ اضطراب والے اعتراض کی زد سے محفوظ ہے، لہٰذا محض مدت عہد فاروقی کی مقدار پر اضطراب کا اعتراض فضول ہے کیونکہ اس سے اصل متن حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

❁ ثانیاً:

مدت عہد فاروقی کے بیان میں مذکورہ تینوں باتوں میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے کیونکہ پہلی بات میں اجمال

اور بقیہ میں تفصیل ہے اور اجمال اور تفصیل میں کوئی تعارض نہیں ہوتا۔رہی دوسری اور تیسری بات تو اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ مدت بتاتے وقت کسر (Fraction) کو کبھی مکمل کر کے بتاتے ، کبھی کسر (Fraction) کو ختم کر کے بتاتے ،یعنی انہیں اگر ایک سال اور نصف سال ،یعنی ڈیڑھ سال کی مدت بتانی ہوتو وہ کبھی کسر (Fraction) کو مکمل کر کے دو سال ذکر کرتے ،اور کبھی کسر (Fraction) کو ختم کر کے ایک سال ذکر کرتے ،یہی معاملہ اس حدیث میں بھی ہے کیونکہ عہد فارقی کی مدت دو سال سے کچھ زائد ہے اس بنا پر:

- جس روایت میں صرف عہد کا ذکر ہے اس میں اجمال ہے۔
- جس روایت میں تین سال کا ذکر ہے اس میں کسر کو مکمل کر دیا گیا ہے۔
- اور جس روایت میں دو سال کا ذکر ہے اس میں کسر کو ختم کر دیا گیا ہے۔

بطور مثال عرض ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نو سال کچھ ماہ خدمت کی ہے ،لیکن انس رضی اللہ عنہ جب اس خدمت کا تذکرہ کرتے تو کبھی اجمالاً ذکر کرتے ، اور جب مدت کی تفصیل بتاتے تو کبھی کسر (Fraction) کو مکمل کرتے ہوئے دس سال بتاتے ،کبھی کسر (Fraction) کو ختم کر کے نو سال بتاتے۔ چنانچہ:

① ایک روایت میں انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”فخدمته فى السفر و الحضر“

”میں نے حضر اور سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے“ [صحیح بخاری: رقم:٦٩١١، صحیح مسلم :رقم: ٢٣٠٩]

② ایک دوسری روایت میں انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”خدمت النبى صلى الله عليه وسلم عشر سنين“

”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے“ [صحیح بخاری :رقم ٦٠٣٨صحیح مسلم ٢٣٠٩]

③ ایک تیسری روایت میں انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”خدمت النبى صلى الله عليه وسلم تسع سنين“

”میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نو سال خدمت کی ہے“ [صحیح مسلم :رقم ٢٣٠٩،مسند احمد :رقم ١١٩٧٤]

ان روایات میں کوئی اضطراب نہیں ہے بلکہ اہل عرب کے معمول کے مطابق انس رضی اللہ عنہ نے الگ الگ انداز میں یہ بیان کیا ہے چنانچہ پہلی بات میں اجمالاً خدمت کا ذکر ہے اور بقیہ میں تفصیل ہے،اور اجمال اور تفصیل میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

رہی دوسری اور تیسری روایت تو دوسری روایت میں کسر (Fraction) کو مکمل کر کے ذکر کیا ہے اور تیسری روایت

میں کسر (Fraction) کوختم کرکے ذکر کیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولا منافاة بين الروايتين فإن مدة خدمته كانت تسع سنين و بعض أشهر فألغى الزيادة تارة وجبر الكسر أخرى“

دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کی خدمت کی مدت نوسال کچھ ماہ تھی،تو کبھی انہوں نے کسر (Fraction) کوختم کرکے بیان کیااور کبھی کسر (Fraction) کومکمل کرکے بیان کیا۔[فتح الباري لابن حجر، ط المعرفة:۹/۲۳۱]

❁ ثالثاً:

فریق مخالف طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں صحابہ کے فتاویٰ سے متعلق جوروایات پیش کرتے ہیں ان میں تو طلاق کی عدد وغیرہ کولیکراس سے بھی کہیں زیادہ اختلاف موجود ہے، پھر اگران کے اضطراب والی پالیسی سے ان فتاویٰ والی روایات کودیکھا جائے توان میں سے ایک روایت بھی اضطراب کی زد سے نہیں بچ پائے گی۔

مثلاً تین طلاق کوتین بتانے سے متعلق فریق مخالف ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کوپیش کرتے ہیں جسے ان سے ان کے شاگرد سعید بن جبیر نے روایت کیااب اس کے متن میں اختلاف دیکھیں:

☆ دارقطنی کی روایت میں ہے:

”طلق امرأته مائة “ ”اپنی بیوی کوسوطلاق دے دی“[سنن الدارقطني:۵/۲٤]

☆ عبدالرزاق کی روایت میں ہے:

”طلقت امرأتي ألفا “”میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دے دی“[مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمي: ٦/ ۳۹۷]

☆ دارقطنی کی ایک اورروایت میں ہے:**”أن رجلا طلق امرأته عدد النجوم “**

”ایک شخص نے اپنی بیوی کوستاروں کے مانند طلاق دے دی“[سنن الدارقطني :۵/۳۸]

نوٹ:- پہلی یعنی دارقطنی والی روایت کی سند ضعیف ہےلیکن ہم الزاماً اسے پیش کررہے ہیں کیونکہ فریق مخالف نے اضطراب دکھانے کے لئے ہرطرح کی سندوں کوپیش کیا ہے،البتہ مؤخرالذکر دونوں روایات کی سند صحیح ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

☆ پہلی روایت میں (سوطلاق) کا ذکر ہے۔

☆ دوسری میں اس سے دس گنا زائد یعنی (ہزار طلاق) کا ذکر ہے۔

☆ اور تیسری میں تو بے شمار یعنی (ستاروں کی تعداد کے برابر طلاق) کا ذکر ہے۔

لیکن فریق مخالف اس قدر اختلاف کے باوجود بھی ایسی روایت کو مضطرب نہیں کہتے ، ہم ان حضرات سے عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ (سو)، (ہزار) اور (ستاروں کی تعداد) جیسے تین مختلف بیانات کو بھی اضطراب کی دلیل نہیں مانتے تو صرف تین سال اور دو سال جیسے معمولی اختلاف کو کس منہ سے اضطراب کی دلیل بنائے پھرتے ہیں؟

❁ ایک دیوبندی مولانا منیر احمد منور صاحب نے دار قطنی کی سنن کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے اضطراب کی ایک اور شکل بتاتے ہوئے کہا کہ (صحیح مسلم: ۴۷۸/۱) کی روایت میں ہے ابوالصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ”ھات من ھناتک“ اور (سنن دار قطنی: ۸۰/۵) کی روایت میں کہ ابن عباس نے ابوالصہباء سے یہی کہا ہے۔

(حرام کاری سے بچئے: ص۳۳۲)

عرض ہے کہ:

❁ **اولاً:**

اگر یہ اضطراب ثابت بھی ہو جائے تو اس روایت میں صرف یہ بات مشکوک ہوگی کہ یہ جملہ کس نے کہا لیکن اس کا اثر اس روایت کے دوسرے مضمون پر نہیں پڑے گا کیونکہ دوسرے مضمون میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ دوسرا مضمون ہی استدلال کا محل ہے، اور شروع کا جملہ کس نے کہا اس سے استدلال میں کچھ لینا دینا نہیں، لہٰذا اس پر اضطراب کا اعتراض فضول ہے۔

❁ **ثانیاً:**

علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے ”التعلق المغنی“ میں دار قطنی کی روایت اور مسلم کی روایت میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

”ولا تعارض بين رواية المصنف ورواية مسلم ، فإنه يمكن أن ابن عباس سأله أولا عن أخبار و أمور كانت عنده فأجابه بما يستلزم السؤال عن هنات ابن عباس“

”مصنف (دار قطنی) کی روایت اور مسلم کی روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے ابوالصہباء سے ان کے پاس موجود اخبار و امور سے متعلق پوچھا ہو پھر انہوں نے جواب دینے کے بعد اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا ہو“ [سنن الدارقطنی، ت الارنؤوط: ۸۰/۵-۸۱]

❁ **فائدة**

مولانا منیر احمد منور صاحب نے یہ روایت دار قطنی کی سنن سے نقل کی ہے اور دار قطنی کی سند اس طرح ہے:

امام دار قطنی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۵) نے کہا:

نا ابن مبشر ،نا أحمد بن سنان،نا محمد بن أبي نعيم(ہو ابن حماد)ن زيد،نا أيوب ،عن إبراهيم

بن ميسرة ،عن طاؤس ،أن أبا الصهباء جاء إلى ابن عباس ،فقال له ابن عباس : هات من هنيئاتك ومن صدرك ومما جمعت......الخ [سنن الدارقطنی، ت الارنؤوط:۵/۸۰]

اس کی سند میں محمد بن ابی نعیم ہے، اکثر محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ:

۞ امام احمد بن سنان رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۹) نے کہا:

"**ثقة صدوق** " "یہ ثقہ وصدوق ہے" [الجرح والتعديل لابن أبی حاتم، ت المعلمی:۸/۸۳وإسناده صحيح]

۞ امام ابوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۴) نے ان سے روایت کیا۔[الجرح والتعديل لابن أبی حاتم، ت المعلمی:۸/۸۳]

اور یہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔

۞ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۷) نے کہا:

"**صدوق** " "یہ صدوق ہے" [الجرح والتعديل لابن أبی حاتم، ت المعلمی:۸/۸۳]

ان سب کے برخلاف امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۳) نے ان پر شدید جرح کرتے ہوئے کہا:

"**كذاب خبيث** " "یہ بہت بڑا جھوٹا اور خبیث ہے" [الكامل لابن عدی طبعة الرشد:۹/۳۵۸وإسناده صحيح]

لیکن امام ابوحاتم نے بذات خود ابن معین سے سخت جرح نقل کرنے کے باوجود خود اسے صدوق کہا ہے۔[الجرح والتعديل لابن أبی حاتم، ت المعلمی: ۸/۸۳]

جس سے اشارہ ملتا ہے کہ ابن معین رحمہ اللہ کی جرح مقبول نہیں ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن معین کی جرح کو رد کرتے ہوئے اسے صدوق قرار دیتے ہوئے کہا:

"**صدوق لكن طرحه بن معين**"

"یہ صدوق ہے لیکن ابن معین نے اس پر سخت جرح کی ہے" [تقريب التهذيب لابن حجر:رقم :۶۳۳۷]

بنابریں ہمارے نزدیک بھی راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی صدوق ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں:"**وابن أبي نعيم صدوق** " "ابن ابی نعیم صدوق ہے" [سلسلة الأحاديث الضعيفة:۳/۲۷۱]

بہرحال یہ الفاظ اصل حدیث کے مضطرب ہونے پر دلالت نہیں کرتے کیونکہ تطبیق پیش کی جاچکی ہے، نیز اصل حدیث سے ان الفاظ کا کوئی تعلق بھی نہیں ہے جیسا کہ وضاحت کی جاچکی ہے۔

جاری ہے۔۔۔۔

مدارس اسلامیہ: اہمیت وافادیت

محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی

زخم جب غیر دیں اور چوٹ جب اجنبی سے لگے تو صبر وشکیب کی ہمت ہوتی ہے،لیکن جب ستم اپنوں کے ہوں اور زخم بھی اپنوں کے ہوں تو صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔

ادھر کچھ عرصہ سے مدارس پر شک کے کانٹے ، مدارس کے نظام، مدارس کے نصاب، مدارس کے طلبہ اوران کے مستقبل کے سلسلے میں مختلف تبصرے، اندیشے اور تجویزیں سامنے آرہی ہیں، اندیشوں کی وجہ کچھ تو مدرسوں سے ناواقفیت ہےاور کچھ دینی تعلیم سے بےاعتنائی بلکہ بیزاری ہے، چنانچہ کچھ لوگ مدارس کی تعلیم کو غیر ضروری سمجھ کر اس تعلیم سے وابستہ افراد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں،ان میں کچھ اپنے بھی ہیں اور کچھ پرائے بھی۔

غیروں کا تو یہ زعم ہے(جو کہ باطل ومسترد ہے،حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں) کہ مدرسے دہشت گردی کے اڈے ہیں، ملک کی سالمیت اور یکجہتی کے لیے بڑا خطرہ ہیں، کردار سازی کے بجائے ہتھیار سازی کا یہاں کام ہوتا ہے، اخلاقی تربیت کے بجائے یہاں فوجی تربیت کا نظم کیا جاتا ہے، ہندوؤں کے خلاف نفرت کا یہاں بیج بویا جاتا ہےاور ملک سے غداری کا سبق یہاں پڑھایا جاتا ہے۔

لیکن افسوس کہ ہم میں سے کچھ سَر پھرے بھی ان کے سُر میں سُر ملانے کی کوشش کرتے ہیں، گلے گلے میں فرق ہوتا ہے، چنانچہ سُر تھوڑی بدل جاتی ہے،لیکن کچھ فرق کے ساتھ اپنا اثر وہی دکھاتے ہیں اور مدارس کے بارے میں بدگمانی پھیلانے میں مخالفین کا ساتھ دیتے ہیں،اپنوں کا کہنا یہ ہے کہ مدرسوں میں مسلمان بچوں کی ایک بڑی تعداد کو ناکارہ بنایا جارہا ہے،ان کو ایک اندھیرے مستقبل کی طرف ڈھکیلا جارہا ہے، مدرسوں کے فارغین کے لیے کام کا کوئی میدان نہیں ہے اور روزی کمانے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ ،لیکن اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حصول علم کا مقصد کیا صرف معدے کی دنیا آباد کرنا ہے؟

حقیقت کیا ہے؟ مدرسہ کیا ہے؟ اس کا مقصد وہدف کیا ہے؟ مدرسہ سے فارغ ہونے والوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ آیئے اس مضمون کے حوالے سے جانتے ہیں۔

مدرسہ کیا ہے؟

مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام

کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلامی کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے، جہاں سے اسلامی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر اور زبان وادب سے نہیں کہ اس پر قدامت کا شبہ ہو اور اس کے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہِ راست نبوت محمدی سے ہے، جو عالمگیر بھی ہے اور زندہ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم اور جدید بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔ بحوالہ: (پاجا سراغ زندگی: صفحہ نمبر: ۹۰)

مدارس و جامعات سے ملک کی حفاظت، سلامت، جان ومال، عزت وآبرو، عقل ودین اور مذہب کی حفاظت وصیانت کی آواز بلند کی جاتی ہے، وہاں تعلیم دی جاتی ہے کہ غریبوں، مسکینوں، فقیروں اور قلاشوں کی مدد کرو، خدمت خلق اور اعانت ملہوفین ومستغیثین بلاتفریق مسلم وکافر کا پاٹھ پڑھایا جاتا ہے، اور دہشت گردی، پھوٹ، تفرقہ، فساد وغبن، فتنہ، کرپشن وانارکی، جھوٹ اور دھوکہ، قتل ومرڈر، زنا کاری، بلتکاری وبدکاری، اور ہر وہ چیز جو انسانیت کو چوٹ پہنچائے اور جس سے ملک کی سالمیت پر ضرب لگے سخت سزا کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر ہمارے ملک میں کوئی بدامنی، انتشار،، ڈکیتی، لوٹ کھسوٹ کرتا ہے، تو یہ مدارس و جامعات اور اس سے متعلق لوگ ملک کی حفاظت اور اعانت ومدد میں آگے آگے رہتے ہیں، ان مدارس میں یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ کیسے ایک پرامن شہری کی حیثیت سے زندگی گزارا جائے، کیسے ملک کو گراوٹ سے ہر طرح کے حملوں سے محفوظ رکھا جائے۔

مولانا مختار ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''آج ہندو متعصب طبقہ مدارس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ انگریزوں سے ملک کی آزادی کے لیے لڑنے والے مدارس کے علماء اور طلباء نے ہندو دھرم شالوں کو صدیوں پیچھے ڈال دیا ہے، اور آج اگر خدانخواستہ ملک کو کسی قربانی کی ضرورت پڑی تو یہ اپنے لاکھوں مدارس کی سرزمین ہند کو بچانے اور محفوظ رکھنے میں اپنے سلف صالحین کے نقش قدم پر چل کر ملک کو بچانے میں سب سے آگے رہیں گے۔

جو لوگ ان مدارس میں دہشت گردی کی بو محسوس کر رہے ہیں ان کی ناک خود بدبودار ہو چکی ہے اور وہ اپنے اندر کی غلاظت ہی اپنی ناک سے سونگھ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مدارس اسلامیہ، امن ومحبت اور خدا ترسی کا مرکز بنے

ہوئے ہیں اور سچ یہ ہے کہ یہی مدارس ملک میں پھیلی ہوئی بدامنی، اخلاقی انارکی، لوٹ مار، قتل وغارت گری اور غنڈہ گردی کا تریاق ہیں، انہی مدارس سے ملک کا آبرو باقی ہے، ملک میں روحانیت، خداترسی، تقویٰ اور پرہیزگاری کا جو آج تھوڑا بہت سرمایہ باقی ہے وہ انہی مدارس کی بدولت ہے''۔ بحوالہ(مجلّہ البلاغ: ستمبر ۲۰۰۱ صفحہ نمبر: ۸)

مدارس کی اہمیت:

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہماری ملی و جماعتی زندگی میں دینی مدارس کی اہمیت غیر معمولی ہے، یہیں سے وہ افراد تیار ہوتے ہیں جن کے ذریعے زندگی میں حرکت وسرگرمی پیدا ہوتی ہے اور مستقبل کے منصوبے تکمیل پذیر ہوتے ہیں، یہیں پر کتاب وسنت کی تعلیم ہوتی ہے اور عقیدہ وعمل کی باریکیاں سمجھائی جاتی ہے، اللہ اور رسول کے حقوق سے واقفیت ہوتی ہے، تہذیب وتمدن اور علم وثقافت کی تحریک کو سمتِ سفر ملتی ہے، افراد و جماعت کا ذہن اور سیرت وکردار کی تشکیل ہوتی ہے، انہی تعلیم گاہوں سے ہماری تاریخ کی وہ عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں جن پر ملت و جماعت کو فخر ہے اور جن کی دینی وعلمی خدمات ہندوستان کی علمی تاریخ کا روشن باب ہے، ان مدارس کا ملک کی آزادی اور نئی نسل کی تربیت ورہنمائی میں بھی نمایاں حصہ ہے، یہاں کے علماء نے وطن اور عوام کی بےلوث خدمت کا جو معیار قائم کیا ہے آج مفاد پرست دنیا کے لیے اس کا تصور بھی مشکل ہے، برصغیر میں اسلام اور اسلامی علوم کی بقاء وتحفظ کے اسباب پر غور کیا جائے تو پہلا نام''اسلامی مدارس'' کا ہی آتا ہے''۔ (ہندوستانی مدارس میں عربی اور اسلامیات کی تعلیم تنظیم نو، ضرورت اور امکانات: صفحہ نمبر: ۲۰)

مدرسہ کا مقصدِ قیام ہی یہ ہے کہ وہ انسانی سوسائٹی کو درجۂ کمال تک پہنچا دے، صحیح تربیت کرے، اچھی تعلیم دے اور سوسائٹی کے افراد کو سوسائٹی کے لیے نافع ومفید بنائے۔

محترم قارئین! ہندوستان جیسے ملک میں مدارس و جامعات کی اہمیت ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، یہ ملک قوموں اور تہذیبوں کا مدفن ہے، یہاں جو قوم آئی وہ ضم ہوگئی، جو تہذیب آئی وہ مٹ گئی، اگر مدرسوں کا یہ نظام ہمارے بڑوں نے نہ چلایا ہوتا تو شاید اب تک ہم بھی اپنی شناخت کھو چکے ہوتے اور اپنی خصوصیات اور تشخصات سے دستبردار ہوکر یہاں کی تہذیب وثقافت کو اپنا چکے ہوتے، شاید یہی وجہ ہے کہ یہ مدارس اربابِ اقتدار کی نظر میں کانٹا بن کر چبھتے ہیں۔

مدرسے کی اہمیت کی گواہی اگر اس شخص کی زبانی ہو جو عصری تعلیم گاہوں کے لیے سرمایۂ افتخار ہو، جس کے علم

وادب کے آگے دنیا جھکتی ہو، جس نے مغربی دانش کدوں میں اپنی زندگی کے سالہاسال بتائے ہوں، جس نے مسلمانوں کے عروج وزوال کی صرف داستان ہی نہ سنی ہو بلکہ ان کے آثار کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کیا ہو، جو تاریخ سے نہ صرف واقفیت رکھتا ہو بلکہ تاریخ سے نتائج نکالنے کا ہنر بھی جانتا ہو، زوال کے اسباب پر جس کی نظر ہو، عروج کی تمنا جس کے دل میں ایک شعلہ کی طرح دہک رہی ہو، جس کا ایک ایک لمحہ مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر کرب میں گزرا ہو، جس نے نہ مدرسے میں پڑھا ہو اور نہ مدرسے میں پڑھایا ہو، لیکن اس کے باوجود انسانیت کی اس ڈوبتی کشتی کو پار لگانے کے لیے اس کی نگاہ کسی کی طرف اٹھتی ہو تو وہ اپنی تمام خامیوں کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود ''مدرسہ'' ہی ہو، آیئے دیکھتے ہیں، آج سے ستّر اسّی سال قبل ڈاکٹر محمد اقبال جیسی مغرب ومشرق کے احوال سے واقف اور دونوں نظامہائے حیات کا تجربہ رکھنے والی شخصیت نے ان دینی مدرسوں کو کس امید بھری نظر سے دیکھا تھا، وہ کہتے ہیں:

''ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدرسوں میں پڑھنے دو، کیونکہ اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ اب جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیرووں اور اسلامی تہذیب کے اثرات کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔ (منقول از، دعوت فکر ونظر: صفحہ: ۱۴۹ تا ۱۵۰)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مسئلہ صرف طلبہ کے مستقبل کے اقتصادی پہلو سے متعلق نہیں ہے کہ اسے محفوظ بنایا جائے یا انہیں سرکاری عہدوں کے قابل بنایا جائے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑا اور قابل توجہ ہے، یعنی مسلمانوں کی دین اور ان کی تہذیب وتمدن کی حفاظت، اسلامی اصولوں اور اللہ پر ایمان لانے والوں کے لیے یہ موت وحیات کا مسئلہ ہے، اسلام کی بقاء کتاب وسنت کے سمجھنے پر مبنی ہے اور یہ فہم عربی زبان اور ان علوم کی تعلیم ہی سے ممکن ہے جو شرعی مقاصد کی معرفت اور احکام کے مستنبط کے ذرائع ہیں اور یہ بات انہی دینی عربی مدارس ہی سے حاصل ہوسکتی ہے جو فی الواقع دین کے قلعے ہیں، مسلمانوں کی زندگی اور ان کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے، یہاں قرآن وسنت اور دیگر معاون علوم سکھائے

جاتے ہیں،اوران کے نکلے ہوئے افرادلوگوں کے اندر دینی شعوراوراسپرٹ پیدا کرتے ہیں،انہی مدارس کے علماء گمراہ فرقوں، باطل نظریات اور غلط مقاصد والے لوگوں سے مقابلہ کرتے ہیں اورلوگوں کے ذہن ودماغ کوان تباہ کن خیالات وافکار سے محفوظ رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو بلند اقداراوراخلاقی اصولوں پر فرداور جماعت کی تعمیر کرتے ہیں،حق وانصاف کے راستے میں قربانی پیش کرنا، خدا سے تعلق استوار کرنا اور صلاح وتقویٰ کے اعمال کی اشاعت لوگوں کوسکھلاتے ہیں،انہی کی مساعئ جمیلہ سے مادہ پرستی اور دنیاداری سے لوگوں کے دلوں کومحفوظ کیا جاتا ہے''۔(بحوالہ ہندوستانی مدارس میں عربی اوراسلامیات کی تعلیم تنظیم نو،ضرورت اورامکانات:صفحہ نمبر:۴۳)

محترم قارئین! مدرسہ ملت اسلامیہ کی روح ہے،معاشرہ وسماج کی اصلاح اور ملک وطن کی تعمیر وترقی میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں مدارس کی اہمیت وافادیت میں کیسے اضافے ہوں،بعض اپنوں یا غیروں کو جوزعم ہوچلا، جو بدظنی ہوگئی ہے ان کو کیسے دور کیا جائے، دعوت وتبلیغ کے مہم کو کیسے وسیع پیمانے پرپھیلایا جائے۔

بعض مدارس کو بہرحال اپ ٹوڈیٹ کرنے کی بھی ضرورت ہے، حالات کی تبدیلی اوروقت کے تقاضوں کومدنظر رکھتے ہوئے ہمیں دین کی حفاظت کے طریقے کو بہتراوردین ودعوت کے اسلوب کوموثر بنانے کے لیے نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے، نئے سے نئے اور بہتر سے بہتر وسائل کا استعمال کرنا ہوگا،لیکن یہ خیال رکھتے ہوئے کہ نصاب میں اضافہ اورطریقۂ کار کی یہ تبدیلی مدارس کے مزاج ان کی روح،اوران کے مقاصد سے پوری طرح ہم آہنگ ہونیز مقصد کی تکمیل میں معاون ومددگارثابت ہو،اس سلسلہ میں ہمیں رائج زبانوں،وقت کے تقاضوں اور معاشرہ کی ضرورتوں سے بھی واقف ہونے کی ضرورت ہے،ابلاغ وترسیل کے نئے ذرائع کے استعمال کی ضرورت ہے، کردار کو اس طرح اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا کرداراور ہماری عادات واطوار ہمارے مقاصد میں حائل نہ ہوسکے، چنانچہ ہمیں اپنے مقاصد کوسامنے رکھتے ہوئے اوراپنی مذہبی وملی ذمہ داریوں کا پورا خیال رکھتے ہوئے تبدیلیوں پرغور کرنا چاہیے۔

ورنہ خطرہ اس بات کا ہے کہ مدارس اپنی افادیت کھوبیٹھیں اوراس کے فارغین اپنی ضرورت تو پوری کرنے میں کامیاب ہوجائیں لیکن اپنے مذہب اوراپنی قوم کی ضروریات پوری کرنے کے لائق نہ رہیں،شایداسی خطرہ کومحسوس کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام قدوائی نے اسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے،وہ لکھتے ہیں:

''عربی مدارس کے قیام کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ یہاں دین وملت کے ایسے سپاہی تیار کیے جائیں جو

ہر حال میں اسلام کی حفاظت کر سکیں اور الحاد و بے دینی کے بڑھتے سیلاب کو روک سکیں ، آغاز کار کے وقت ان درس گاہوں نے اس زمانے کے حالات کے مطابق مفید و موثر لائحۂ عمل تیار کیا تھا، اور نصاب و نظام تعلیم کے ایسے خاکے بنائے تھے جو اس وقت کی ضرورت کے مطابق تھے، جب تک وہ فضا قائم رہی یہ نظام تعلیم مفید و کارگر ثابت ہوا، لیکن اب جبکہ عرصہ سے حالات بدل چکے ہیں تو ضرورت ہے کہ ہماری درس گاہوں میں انقلاب ہو ، زمانے کی نئی ضرورتوں کے مطابق پھر سے نصاب تعلیم مرتب ہو اور تعلیم و تربیت کے ایسے اسلوب اختیار کیے جائیں جو طلبہ کو وقت کی ضرورتوں کے مطابق زندگی کے نئے میدانوں کے لیے تیار کر سکیں ،قوم کی باگیں ان کے ہاتھ میں ہوں گی اور یہی کشتیٔ ملت کے ناخدا ہوں گے''۔(منقول از ،دعوت فکر و نظر:صفحہ نمبر:۱۵۴تا۱۵۵)

محترم قارئین! لیکن دینی و عصری کے چکر میں کہیں تعلیمی مافیا نہ پھیل جائے اس پر بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے، بعض لوگوں کا مشغلہ ہے کہ ہمیشہ دینی و منہجی علماء کو کوستے رہتے ہیں اور استخفاف واستحقار اتنے کہ مزاحیہ مضامین تحریر کرتے ہیں، کارٹون اور فنّی ویڈیوز بناتے ہیں، یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے، دینی علماء کو عصری علوم کی جانکاری نا ہو تو کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوگا۔ وہ اپنا کام صحیح ڈھنگ سے کرتے رہیں کافی ہے، دیگر میدانوں کو ان کے اہل کے لیے چھوڑ دیں۔

البتہ عصری علماء کو دینی اور شرعی علم نہ ہو تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائے گی۔

مگر آج جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ زیادہ تر الٹی سمت میں چل رہی ہیں۔

ہمارے دینی ادارے تو عصری کے چکر میں پریشان ہیں۔

مگر عصری ادارے دینی تعلیم کے معاملے میں تقریباً صفر۔

اس جانب اصل محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

ورنہ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا دینی اداروں کو کمرشیل بنانے کے لیے یہ شوشہ چھوڑتے ہیں اور آخر میں تجارت تو کچھ ہو ہی جاتی ہے مگر طلباء کہیں کے نہیں رہتے۔

محترم قارئین! مسلمانوں کے لیے یہ بات قطعی قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ ان کی زندگی مذہب سے بے تعلق کر دی جائے ، جس طرح یورپ و امریکہ میں اور ان کے ماننے والوں میں کر دیا گیا ہے، اور انسان کو صرف مادی مصلحت کے اندر محدود کر دیا جائے ،اس کا تجربہ خود مغرب میں اخلاقی و انسانی احساسات و جذبات میں خود غرضانہ اور زندگی کے ہر معاملہ میں خالص مادی نقطۂ نظر کے پھیل جانے میں دیکھا جا سکتا ہے، جس کے خراب نتائج خود وہاں بھی محسوس

کیے جانے لگے ہیں اور ساری دنیا بھی ان کے اثرات دیکھ رہی ہے اور پریشان ہے، ہمارے یہ ادارے، یہ مراکز اور جامعات ومعاہد جن کو ممتاز علماء دین اور دین وملت کی صحیح فکر رکھنے والے مسلم دانشوروں نے قائم کیا ہے چلا رہے ہیں اور ان سے دین اسلام کی حفاظت انجام پا رہی ہے، ان کو مسلمانوں کے بدخواہوں کی طرف سے بار بار چیلنج کیا جا رہا ہے، اگر ہم اس چیلنج کے خطرہ کو نہیں سمجھ سکیں گے تو ہم بحیثیت مسلمان ختم ہو جائیں گے، اور مغربی قوموں کی صفوں میں ایک ذیلی قوم بن کر رہ جائیں گے اس لیے ضرورت ہے کہ ہماری ان درس گاہوں کو جو مسلمانوں کی زندگیوں میں دین سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے اپنی وابستگی کو قائم رکھنے کے لیے پاور حیثیت سے کام کر رہی ہیں ان کو اہمیت کی نظر سے دیکھا جائے۔

چلتے چلتے مدارس پر کیے گئے ایک نامناسب تبصرہ پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جنرل ضمیرالدین شاہ کا جواب بھی سنیے:

"مدارس ملک میں تعلیم کا سب سے بڑا نیٹ ورک ہیں اور سماج کے محروم اور پسماندہ طبقات کے تعلیمی فروغ میں مدارس نے اہم خدمات انجام دی ہیں، انہوں نے کہا! کہ مدارس کے اساتذہ اور طلباء نے ہمیشہ بلند کردار اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے، اور وہ ہمیشہ کسی بھی قسم کے اسکینڈل سے دور رہے ہیں اور اس تناظر میں ان کے خلاف کسی بھی قسم کی الزام تراشی غیر اخلاقی ونامناسب ہے" (منقول از، دعوت فکر ونظر: صفحہ نمبر: ۱۵۵)

معزز قارئین! اس وقت مسلم امہ کو مختلف چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں سے سب سے بڑا مسئلہ مسلمان کے دین وعقائد ومنہج کا ہے، مسلمانوں کے لیے موجودہ دور مختلف قسم کی اہمیتوں اور تقاضوں کا دور بن گیا ہے، فی الوقت عالمی پیمانے پر اس امت اسلامیہ کو بے اثر بلکہ بے نام ونشان کر دینے کی کوشش ہو رہی ہے، جگہ جگہ ان کی بقاء اور دین کے ساتھ ان کے تعلق کو ختم کر دینے کی سازشیں چل رہی ہیں، کہیں علمی وفکری میدان میں، کہیں تمدنی وتاریخی میدان میں اور کہیں سیاسی وسماجی میدان میں، ایسے ایسے فتنے کھڑے کیے جا رہے ہیں کہ اگر ان کے مقابلہ کے لیے راسخ ومخلص ومحنتی اہل علم واعلیٰ صلاحیت کے علماء وفضلاء ودکاترہ تیار کرنے کا کام نہ کیا گیا تو یہ ایک تنگ وتاریک سرنگ میں دھکیلنے اور دین منہج کو مٹانے کی ایک کامیاب سازش ہوگی۔ اللہ امت اسلامیہ کی حفاظت فرمائے، مدارس وجامعات کو ہر طرح کے شر وفتن اور حاسد وباغض وماکر سے بچائے۔ اور ہم سبھی کو دین پر مضبوطی سے قائم ودائم رہنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

وباللہ التوفیق وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سلف صالحین کے نزدیک علماء اور اساتذہ کی تعظیم وتوقیر کے چند نمونے

مامون رشید بن ہارون رشید سلفی

استاد کا احترام اور ان کی تعظیم وتوقیر ایک مسلّم فطری اصول ہے جو عام کائناتی نظام کا حصہ ہے، دنیا میں بسنے والے تمام مذاہب وافکار کے حاملین اور ہر رنگ ونسل کے لوگ اپنے اپنے انداز میں اساتذہ اور علماء ومشائخ کا احترام کرتے ہیں، لیکن اسلام اور علمائے اسلام نے اساتذہ کرام اور علماء کو جو مقام دیا ہے وہ انتہائی قابل رشک اور اعلیٰ وارفع ہے۔

زیر نظر مضمون میں نصوص کتاب وسنت سے قطع نظر سلف صالحین کے اقوال وآثار اور عملی نمونوں کی روشنی میں اہل اسلام کے نزدیک اساتذہ کی قدر ومنزلت اور اعزاز واحترام کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سنت یہ ہے کہ عالم کی تکریم وتوقیر کی جائے'' [جامع بيان العلم و فضله : ٤٥٩/١]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ آپ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب تھامے ہوئے ہیں، تو آپ سے کہا گیا کہ: آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد ہیں اور آپ اس انصاری کی سواری کی رکاب تھامے ہوئے ہیں؟! تو آپ نے فرمایا: ''ضروری ہے کہ عالم کی تعظیم کی جائے اور انہیں مناسب مقام ومرتبہ عطا کیا جائے'' [الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع للخطيب: ١/ ١٨٨]

امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد سواری کے لیے ان کے پاس ایک خچر لایا گیا، تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے آ کر اس کی رکاب تھام لی، یہ دیکھ کر زید بن ثابت نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد چھوڑ دیجیے! چھوڑ دیجیے! تو آپ نے فرمایا: علماء وفضلاء اور بزرگوں کے ساتھ ایسا ہی کیا جانا چاہیے''۔

دوسری روایت میں ہے: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا آپ میرے خچر کی رکاب تھامیں گے جبکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں؟ تو آپ نے کہا: ہم علما کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں''۔ [الجامع لأخلاق الراوی

وآداب السامع للخطيب: ١٨٨/١]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: "میں دوسال تک اپنے دل میں یہ خواہش لیے رہا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کروں، لیکن صرف آپ کی ہیبت کی وجہ سے ہمت نہیں جٹا پایا، یہاں تک کہ آپ ایک مرتبہ حج یا عمرہ کے موقع پر وادیٔ "مرالظہران" میں ایک درخت کے پاس اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر لوگوں سے پیچھے رہ گئے، پس جب آپ آئے اور مجھے آپ کے ساتھ خلوت نصیب ہوئی تو میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں دوسال سے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں استفسار کرنا چاہتا ہوں، لیکن آپ کی ہیبت اور رعب کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی ہے، تو آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا، جب بھی کوئی سوال کرنا ہو تو کر لینا، اگر اس کے بارے میں مجھے علم ہوا تو بتا دوں گا، ورنہ کہہ دوں گا کہ میں نہیں جانتا، پھر تم کسی ایسے شخص سے پوچھ لوگے جو جانکار ہوگا، تو میں نے پوچھا کہ: وہ دو خواتین کون ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے رسول کے مقابلے میں ایک دوسرے کا تعاون کر رہی تھیں؟ آپ نے فرمایا: وہ عائشہ اور حفصہ تھیں"۔[جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر: ١/ ١٥٦]

لیث بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سعید بن مسیّب رحمہ اللہ دو رکعت نماز ادا کر کے مجلس میں بیٹھتے، تو مہاجرین وانصار میں سے اصحاب رسول ﷺ کے بچے آپ کے پاس حاضر ہوتے، لیکن ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ آپ سے کوئی سوال کرے، یہاں تک کہ آپ خود ہی بات کا آغاز کرتے یا کوئی سائل آ کر آپ سے سوال کرتا، چنانچہ وہ سنتے"۔[الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب: ٤٠٠/١]

عبدالرحمٰن بن حرملہ اسلمی بیان کرتے ہیں کہ: کوئی بھی شخص سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے سوال کرنے کی جرأت نہیں کرتا یہاں تک کہ آپ سے اجازت لے لیتا جیسا کہ حکمران سے اجازت لی جاتی ہے"۔[الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب: ١٨٤/١]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا، آپ کے تلامذہ امیر اور حاکم کی طرح آپ کی تعظیم وتکریم کرتے اور سرداروں کا مقام دیتے تھے"[الجامع للخطيب: ١٨٢/١]

امام اعمش بیان کرتے ہیں: "کہ ہم لوگ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ویسے ہی ڈرتے اور ہیبت زدہ رہتے تھے جیسے حکمران سے ڈرا اور خوف کھایا جاتا ہے"۔[تذكرة الحفاظ: ٧٤/١]

ابوعبداللہ المعیطی ذکر کرتے ہیں: "میں نے مکہ میں ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ کے پاس سفیان بن

عینیہ رحمہ اللہ تشریف لائے اور آپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے، اور ابوبکر رحمہ اللہ آپ سے حال احوال اور اہل وعیال کے بارے میں دریافت کرنے لگے، اسی دوران ایک شخص آیا اور سفیان بن عیینہ سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کرنے لگا، تو آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ شیخ بیٹھے ہیں کوئی سوال نہ کرنا''۔[الجامع للخطیب: ۱/ ۳۲۰]

حسن بن علی الخلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم لوگ معتمر بن سلیمان رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر تھے اور آپ ہمیں حدیث سنا رہے تھے، کہ اچانک عبداللہ بن المبارک تشریف لائے، تو معتمر نے اپنی بات روک دی، جب آپ سے کہا گیا کہ: ہمیں حدیث سنائیے! تو فرمایا کہ ہم اپنے بڑوں کے سامنے بات نہیں کرتے ہیں''۔[الجامع للخطیب: ۱/ ۳۲۱]

احمد بن سنان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ''جب عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے، تو آپ کی مجلس میں نہ ہی کسی قسم بات کی جاتی، نہ قلم کی نوک تراشے اور سنوارے جاتے اور نہ ہی کوئی مجلس سے اٹھتا، سب ایسے بیٹھے رہتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں (کہ ذرا سا ہلیں تو پرندے اڑ جائیں گے) یا وہ نماز میں ہیں''۔[تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۳۱]

ابو عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم لوگ ابن عون رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ہم سے حدیث بیان کر رہے تھے، اسی دوران ہمارے پاس سے ابراہیم بن عبداللہ بن حسن رحمہ اللہ کے قافلے کا گزر ہوا۔ ان دنوں اپنے بھائی محمد (بن عبداللہ بن حسن النفس الزکیہ) کے قتل کے بعد آپ کو امام کہا جاتا تھا۔ لیکن صرف ابنِ عون رحمہ اللہ کی ہیبت اور رعب کی وجہ سے ہم میں سے کسی نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی جسارت نہیں کی، چہ جائیکہ مجلس سے اٹھ کر جاتا''۔[الجامع للخطیب: ۱/ ۱۸۵]

حرملہ بن یحیٰ التجیبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ''جب امام شافعی رحمہ اللہ کے سامنے اصحاب الحدیث کا تذکرہ کیا گیا اور یہ شکوہ کیا گیا کہ وہ حصول علم کے دوران ادب کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتے ہیں، تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: میں نے حدیث، قرآن، نحو اور ان کے علاوہ دیگر چیزوں کا جو کچھ بھی علم حاصل کیا ہے جن سے میں استفادہ کر رہا ہوں، ان کے سیکھنے میں یقینی طور پر میں نے ادب وآداب کا ضرور خیال رکھا، یہاں تک کہ یہ چیز میری طبیعت کا حصہ بن گئی، اور پھر جب مدینہ پہنچا اور امام مالک رحمہ اللہ کی ہیبت ورعب اور ان کا علم کی تعظیم وتکریم کرنا دیکھا تو میرے اندر یہ چیز مزید پروان چڑھ گئی، حتیٰ کہ بسا اوقات جب میں امام مالک کی مجلس میں ہوتا تو آپ کی ہیبت اور وقار کی وجہ سے

انتہائی لطافت اور قرینے سے صفحات پلٹتا تھا تاکہ کہیں آپ اس کی آواز نہ سن لیں''۔[توالي التأسيس بمعالي ابن ادريس:ص:١٥٣]

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:''اللہ کی قسم میں نے کبھی بھی اس حالت میں پانی پینے کی جسارت نہیں کیا جب امام شافعی رحمہ اللہ میری طرف دیکھ رہے ہوں، محض آپ کی ہیبت اور رعب کی وجہ سے''۔[مناقب الشافعي للبيهقي:١٤٥/٢]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:''میں مسلسل چار سال تک ہشیم (بن بشیر الواسطی) رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے سوائے دو بار کے کبھی کوئی سوال نہ کرسکا''۔[تذكرة الحفاظ:١/ ٢٤٩]

عبدوس بن مالک العطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:ایک روز ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مجھے ہنستے ہوئے دیکھ لیا تھا، تب سے لے کر آج تک میں آپ سے شرماتا ہوں''۔[مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي :ص:٢٧٣]

امام احمد بن اسحاق الفقیہ فرماتے ہیں کہ:''میں نے محدثین میں ابراہیم بن ابی طالب رحمہ اللہ سے زیادہ بارعب اور پرحشمت کسی کو نہیں دیکھا، ہم آپ کے سامنے ایسے بیٹھتے تھے گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، ایک بار ابو زکریا العنبری کو چھینک آئی تو اس نے اسے دبانے کی کوشش کی، تو میں نے چپکے سے اس سے کہا کہ اپنی چھینک نہ دباؤ! تم اللہ کے سامنے نہیں ہو''۔[تذكرة الحفاظ للذهبي :٦٣٨/٢]

ابوزکریا العنبری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:''میں سن ۲۸۹ھ میں حسین بن محمد القبانی کے جنازے میں شریک ہوا، نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے ابوعبداللہ البوشنجی رحمہ اللہ بھی تشریف لائے اور نماز ادا کی، چنانچہ جب واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی سواری لائی گئی، ابوعمرو الخفاف نے لگام تھام لی، ابوبکر محمد بن اسحاق نے رکاب پکڑ لیا، ابوبکر الجارودی اور ابراہیم بن ابی طالب آپ کا کپڑا اسنوارنے اور سیدھا کرنے لگے، پھر آپ چلے گئے اور ان میں سے کسی سے بات نہ کی''۔[معرفة علوم الحديث للحاكم:ص:٧٩، تهذيب التهذيب:٩/٩]

احمد بن ازہر البلخی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:''میں نے امام قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:میں بغداد آیا اور میرا مقصد صرف اور صرف احمد بن حنبل سے ملاقات کرنا تھا، چنانچہ وہ یحییٰ بن معین کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے، ہم لوگوں نے آپس میں مذاکرہ کیا، اس کے بعد احمد بن حنبل اٹھے اور میرے سامنے آ کر بیٹھ گئے اور

فرمایا کہ ان چیزوں کو مجھے املا کرادیجیے، پھر ہم نے باہم مذاکرہ کیا، اور آپ دوبارہ کھڑے ہوگئے اور پھر میرے سامنے آکر بیٹھ گئے، میں نے کہا: اے ابوعبداللہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں! تو آپ نے فرمایا کہ: آپ میری طرف توجہ نہ دیں، میں بس یہ کوشش کررہا ہوں کہ اسی طرح علم حاصل کروں جس طرح کرنا چاہیے"۔[مناقب الإمام أحمد لابن الجوزی ص:۷۱]

ادریس بن عبدالکریم بیان کرتے ہیں کہ خلف بن ہشام بن ثعلب نے فرمایا کہ: "میرے پاس احمد بن حنبل رحمہ اللہ "حدیث أبی عوانۃ" سننے کے لیے تشریف لائے، تو میں نے کوشش کی کہ آپ کی عزت افزائی کروں اور آپ کو اوپر مسند پر بٹھاؤں، لیکن آپ نے انکار کردیا اور فرمایا کہ میں تو (نیچے) آپ کے سامنے ہی بیٹھوں گا، کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جن سے علم حاصل کرتے ہیں ان کے سامنے انکساری اور فروتنی کا مظاہرہ کریں"۔[مناقب الإمام أحمد لابن الجوزی:ص:۷۱]

اسحاق الشھیدی بیان کرتے ہیں کہ: "میں یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کو دیکھتا تھا کہ آپ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنی مسجد کے مینار کے ستون سے ٹیک لگا کر جلوہ افروز ہوتے تھے، اور آپ کے سامنے علی بن المدینی، شاذکونی، عمرو بن علی، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہم کھڑے ہوجاتے، اور اپنے پیروں پر کھڑے ہوکر ہی حدیثوں کے بارے میں سوال کرتے تھے، یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت ہوجاتا، آپ کسی سے بیٹھنے کو نہ کہتے اور آپ کی ہیبت اور تعظیم کی خاطر وہ لوگ خود بھی نہیں بیٹھتے تھے"۔ [مناقب الإمام أحمد لابن الجوزی:ص:۷۱]

محمد بن مسلم بن وارہ بیان کرتے ہیں کہ: "ہم لوگ ڈرتے تھے کہ کسی مسئلہ میں احمد بن حنبل کو جواب دیں، یا کسی بھی معاملے میں آپ سے بحث ومباحثہ کریں، یعنی آپ کی عظمت وجلالت اور اس رعب داب کی وجہ سے جو اسلام کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوا تھا"۔[مناقب الإمام أحمد لابن الجوزی :ص:۲۷۳]

ابوبکر المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ""جسر" کے امیر حسن بن احمد نے کہا جو کہ ہمارے پڑوس میں رہتے تھے کہ میں اسحاق بن ابراہیم اور فلاں فلاں سلاطین کے پاس گیا اور ان سے ملا لیکن احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے زیادہ عظمت و جلالت اور رعب داب والا کسی کو نہیں پایا، ایک بار میں ان سے کسی معاملے میں بات کرنے کے ارادے سے گیا لیکن جب انہیں دیکھا تو ہیبت کی وجہ سے کانپ اٹھا مانو جیسے مجھ پر بجلی گر گئی ہو"۔[مناقب الإمام أحمد لابن الجوزی : ص:۲۹۱]

امام احمد رحمہ اللہ کے فرزند صالح فرماتے ہیں کہ: "ایک مرتبہ میرے والد امام شافعی رحمہ اللہ کے خچر کے ساتھ ساتھ

چل رہے تھے کہ یحییٰ بن معین نے انہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو انہوں نے والد محترم کو پیغام بھیجا کہ: اے ابوعبد اللہ مجھے آپ کا شافعی کے خچر کے ساتھ چلنا بالکل پسند نہیں ہے! تو آپ نے فرمایا: اے ابوزکریا اگر آپ بھی ان کے خچر کے دوسرے جانب سے ہوکر چلیں تو یہ آپ کے لئے بھی بہت نفع بخش ہوگا۔ مزید فرمایا: یہ سب چھوڑ یئے اور اگر آپ بھی فقہ سیکھنا چاہتے ہیں تو مضبوطی سے خچر کی دم پکڑ لیجئے"۔[طرح التثريب في شرح التقريب: ٩٦/١، سير أعلام النبلاء: ٨٦/١٠]

محمد بن رافع بیان کرتے ہیں کہ: "میں احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کے ساتھ عبدالرزاق صنعانی کے یہاں قیام پذیر تھا کہ عیدالفطر کا دن آیا تو ہم عبدالرزاق کے ساتھ عیدگاہ گئے، ہمارے ساتھ بہت لوگ تھے، چنانچہ جب ہم عیدگاہ سے لوٹے تو عبدالرزاق نے ہمیں کھانے پر بلایا، اور جب ہم ان کے ساتھ کھانا کھانے لگے تو احمد اور اسحاق رحمہما اللہ سے فرمایا کہ: آج میں نے آپ دونوں کی جانب سے عجیب فعل کا صدور ملاحظہ کیا ہے کہ آپ دونوں تکبیر نہیں پکار رہے تھے! تو احمد اور اسحاق نے فرمایا کہ: اے ابوبکر ہم آپ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اگر آپ تکبیر پکارتے ہیں تو ہم بھی پکاریں گے، لیکن جب ہم نے دیکھا کہ آپ تکبیر نہیں پکار رہے ہیں تو ہم بھی رک گئے، عبدالرزاق نے فرمایا: اور میں آپ دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کیا آپ تکبیر پکار رہے ہیں کہ میں بھی پکاروں"۔[سير أعلام النبلاء: ٢١٦/١٢]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے زیادہ محدثین کی تعظیم وتکریم کرنے والا کسی کو نہیں پایا"۔[الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع: ١٨٢/٢]

ابوعبداللہ یحییٰ بن عبدالملک الموصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے مدینہ میں امام مالک رحمہ اللہ کا دربار دیکھا تو ایسا لگا کہ گویا بادشاہ کا دربار ہے"۔[تذكرة الحفاظ للذهبي: ٢٠٨/١]

عبداللہ بن المعتز فرماتے ہیں کہ: "طالب علموں میں جو متواضع ہوتا وہ ان میں زیادہ صاحب علم ہوتا ہے، جیسا کہ جو نشیبی زمین ہوتی ہے اس میں دوسری زمینوں کی نسبت پانی زیادہ ٹھہرتا ہے"۔[الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب: ١٩٨/١]

عمرو بن قیس الملائی کو جب کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ ان کے پاس حدیث کا علم ہے، اور آپ ان سے علم حاصل کرنا چاہتے، تو ان کے پاس تشریف لے جاتے، ان کے سامنے بیٹھتے اور نہایت عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتے: "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، اللہ نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے ان میں سے کچھ مجھے بھی سکھا

دیں''۔[تذكرة السامع والمتكلم: ص:۹۰]

شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:''جب میں کسی سے حدیث سنتا ہوں، تو جب تک وہ زندہ رہتے ہیں میں ان کا غلام بن جاتا ہوں''۔[تاريخ بغداد :۱۳٤/۹]

ابومعاویہ الضریر (نابینا) رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:''ایک روز میں نے ہارون الرشید کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص نے ہاتھ دھلنے کے لیے میرے لئے پانی انڈیلا جسے میں پہچان نہ سکا، تو ہارون الرشید نے کہا کہ: کیا آپ جانتے ہیں آپ کے لیے کون پانی انڈیل رہا تھا؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: میں خود، میں نے کہا: امیر المؤمنین آپ؟! فرمایا: ہاں، علم کی تعظیم وتکریم کے لئے!''۔[المنتظم في التأريخ :۸/ ۳۲۲، سير أعلام النبلاء: ۲۸۸/۹]

ابوبکر محمد بن الادمونی نحوی فرماتے ہیں کہ:''جب انسان کسی عالم سے علم حاصل کرتا ہے اور ان کے علمی فوائد سے مستفید ہوتا ہے تو وہ ان کا غلام بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وإذْ قالَ مُوسٰى لِفَتاهُ﴾ اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا آیت کریمہ میں ''فتاہ'' سے مراد''یوشع بن نون'' ہیں، وہ گرچہ موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور ہم سفر و متبع تھے لیکن خادم نہیں تھے، اس کے باوجود شاگرد ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خادم اور غلام کے لفظ سے ان کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح کی بات فراء نحوی نے بھی کہی ہے''۔[الفقيه والمتفقه :۲۹۹/۲]

بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے فرزند کو اصمعی کے پاس بھیجا تا کہ آپ انہیں علم اور ادب سکھائیں، چنانچہ ایک روز ہارون الرشید نے دیکھا کہ اصمعی وضو کرتے ہوئے اپنا پیر دھل رہے ہیں اور خلیفہ کا بیٹا ان کے پیر پر پانی ڈال رہا ہے، تو آپ اس کی وجہ سے اصمعی پر برہم ہوئے اور کہا کہ: میں نے اسے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے تا کہ آپ اسے علم اور ادب سکھائیں، لہٰذا آپ نے اسے یہ حکم کیوں نہ دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پیر دھلے؟''۔

احمد بن حمدون بیان کرتے ہیں کہ:''خلیفہ واثق کے استاد اور مؤدب''ہارون بن زیاد'' واثق کے پاس آئے، تو خلیفہ نے ان کی خوب تعظیم وتکریم فرمائی، اور جب ان سے پوچھا گیا کہ: اے امیر المومنین یہ کون ہیں جن کی آپ نے اس قدر عزت افزائی فرمائی؟ تو واثق نے کہا: یہ وہ شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مجھے اللہ کا ذکر کرنا سکھایا اور رحمت الٰہی سے قریب کیا''۔[تاريخ الخلفاء للسيوطي: ۲۵۰/۱]

بیان کیا جاتا ہے کہ جب سفیان ثوری رحمہ اللہ کو امام اوزاعی رحمہ اللہ کے آنے کی خبر پہنچی تو آپ ان کے استقبال

کے لیے نکل پڑے، یہاں تک کہ مقام ''ذی طویٰ'' میں جاکر ان سے ملے اور قافلہ کے اونٹوں کی قطار سے امام اوزاعی کے اونٹ کی لگام کھول کر اپنے کندھے پر ڈال لیا اور شتربان کے مثل آگے آگے چلنے لگے، چنانچہ جب بھی کسی بھیڑ سے ہوکر گزرتے تو فرماتے کہ ''شیخ کے لیے راستہ دو، شیخ کے لیے راستہ دو''۔[تهذيب الأسماء واللغات النووي: ١/ ٣٠٠، وفيات الأعيان لابن خلكان: ١٢٧/٣]

محمد بن حمدون بن رستم بیان کرتے ہیں کہ جب امام مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ امام بخاری کے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا کہ: ''اے استادوں کے استاد، محدثین کے سردار اور حدیث کی علتوں کے طبیب مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے پیروں کو چوم لوں''۔[سير أعلام النبلاء: ٤٣٢/١٢]

عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''میں جب بھی کسی سفر سے لوٹ کر ابو وائل کے پاس گیا انہوں نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا''۔[سير أعلام النبلاء: ٢٥٧/٥]

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''میں عروۃ بن الزبیر کے دروازے پر آتا کچھ دیر بیٹھتا اور پھر اندر داخل ہوئے بنا لوٹ جاتا تھا، اگر میں چاہتا تو اندر جا سکتا تھا لیکن آپ کی تعظیم کی خاطر ایسا نہیں کرتا تھا''۔[حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني: ٢٣/٢]

مزید فرماتے ہیں کہ: ''میں نے (اپنے استاد) عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی بہت زیادہ خدمت کی، جس کی وجہ سے آپ کے خادم اور لونڈی مجھے بھی آپ کا خادم ہی سمجھتے تھے، حتیٰ کہ آپ کے وضو کا پانی بھی میں ہی لاتا تھا''۔[الحلية: ٢٣/٢]

بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ مامون الرشید کے دو بیٹے ''فراء'' نحوی کے پاس نحو کی تعلیم حاصل کرتے تھے، ایک بار وہ کسی کام کے لئے مسند تدریس سے اٹھے، تو دونوں شہزادے دوڑ پڑے کہ جوتیاں سیدھی کرکے استاد کے آگے رکھیں، چونکہ دونوں ساتھ پہنچ گئے تھے اس لیے پہلے تو جھگڑا ہوا پھر خود ہی طے کرکے ہر ایک نے ایک ایک جوتی سامنے لاکر رکھ دی، مامون نے ایک ایک چیز نوٹ کرنے کے لیے پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے، چنانچہ پرچہ نویسوں نے اس واقعہ کی بھی خبر پہنچائی، مامون کو جب اطلاع ہوئی تو ''فراء'' بڑی شان سے دربار میں طلب کیے گئے، مامون نے ''فراء'' سے پوچھا کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ ''فراء'' نے کہا: سب سے زیادہ معزز امیر المومنین ہیں، مامون نے کہا: کیوں نہیں، سب سے زیادہ معزز تو وہ ہیں کہ جب وہ اٹھیں تو ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کے لیے مسلمانوں کے دو ولی عہد آپس میں جھگڑا کریں اور پھر دونوں ایک ایک کرکے سیدھی کریں''۔[تاريخ بغداد للخطيب: ١٥٠/١٤، المنتظم لابن الجوزي: ١٧٩/١٠، سير أعلام النبلاء: ١١٩/١٠]

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: احمد بن حنبل رحمہ اللہ کسی بیماری کی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران آپ کے سامنے ابراہیم بن طہمان کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ: ''مناسب نہیں ہے کہ صالحین کا ذکر ہو اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں''۔[الأنساب للسمعاني: ۳۸/۲، الآداب الشرعية والمنح المرعية: ۲٤/۲]

امام احمد رحمہ اللہ اپنے استاد امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''میں چالیس سالوں سے اپنی نمازوں میں شافعی کے لیے دعائیں کرتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ اے میرے معبود تو مجھے میرے والدین کو اور شافعی کو بخش دے'' [تهذيب الأسماء واللغات للنووي: ٦٠/١]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''خلیفہ ہارون الرشید نے یہ مطالبہ کرتے ہوئے مجھے پیغام بھیجا کہ میں انہیں حدیث سناؤں، میں نے کہا: اے امیر المومنین! علم کے پاس آیا جاتا ہے وہ خود چل کر نہیں جاتا، تو وہ میرے گھر تشریف لائے اور میرے ساتھ دیوار پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، میں نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ سفید پوش وسفید ریش بزرگوں کی تکریم کی جائے، چنانچہ وہ میرے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گئے''۔[الحث على طلب العلم للعسكري:ص:۸٤]

امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی مجلس میں بیٹھا تو دیکھا کہ ان کے شاگردان کی اس طرح تعظیم وتوقیر کرتے ہیں جیسے وہ کوئی امیر ہوں'' [تاريخ دمشق لابن عساكر: ٩٠/٣٦]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے میراث کے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ سعید بن جبیر کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتا ہے''۔[الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: (٢٦٩/٦)]

غور کریں عبداللہ بن عمر خود صحابیٔ رسول، خلیفہ کے بیٹے اور جلیل القدر عالم ہیں لیکن علم اور اہل علم کی قدر ومنزلت سے واقف ہیں اس لیے ایک کم عمر غلام زادہ تابعی جوان کے شاگرد ہیں لیکن چونکہ علم ومعرفت سے مسلح ہیں اس لیے سائل کو ان سے فتویٰ پوچھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جب کوئی کوفی سوال کرنے آتا تو فرماتے کہ کیا تمہارے یہاں ''ابن الدہماء'' عطاء بن رباح نہیں ہے؟ مطلب اس سے فتویٰ پوچھنے کے بجائے تم یہاں کیوں آئے ہو۔[سير أعلام النبلاء ط الرسالة: ٣٢٥/٤]

حالانکہ آپ حبر الامہ، ترجمان القرآن اور جلیل القدر صحابی رسول ہیں اس کے باوجود اپنے شاگرد اور

تابعی سے سوال پوچھنے کی نصیحت کرتے ہیں جوکہ صرف اور صرف علم وادب اور فقہ وبصیرت کے پیش نظر ہے۔

ابوقیس الاودی فرماتے ہیں کہ: ''میں نے ابراہیم نخعی کو دیکھا آپ علقمہ کی سواری کی رکاب تھامے ہوئے تھے'' [معجم حفاظ القرآن عبر التاريخ: ٤٣٦/١]

سلمہ بن کہیل فرماتے ہیں کہ: ''جب بھی امام شعبی اورابراہیم نخعی رحمہما اللہ کسی مجلس میں جمع ہوتے، شعبی کا احترام کرتے ہوئے ابراہیم نخعی خاموش ہوجاتے تھے''۔[تاريخ دمشق لابن عساكر: ٣٦٧/٢٥]

حالانکہ یہ سب تابعین عظام ہم عصر تھے اور عموماً ایک ہی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''جب میں بصرہ پہنچا تو ''محمد بن بشار بندار'' کی مجلس میں حاضر ہوا، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا: کہاں سے ہو برخوردار؟ میں نے کہا: بخارا سے، تو مجھ سے پوچھا: ابوعبداللہ یعنی بخاری کیسے ہیں؟ انہوں نے آپ کو نہیں پہچانا، اور آپ سے بخاری کے بارے میں پوچھنے لگے حالانکہ خود بخاری ان کے سامنے کھڑے تھے۔تو میں خاموش ہوگیا اور کچھ نہ بولا پھر لوگوں نے کہا: اللہ آپ پر رحم یہی ابوعبداللہ ہیں، تو آپ اپنے مسند سے اٹھے میرا ہاتھ پکڑا مجھ سے معانقہ کیا اور فرمایا: خوش آمدید اس شخص کو جن پر میں سالوں سے فخر کررہا تھا۔ [تاريخ بغداد: ١٧/٢]

قارئین کرام! سلف صالحین، ائمہ دین اور علمائے مسلمین سے اس طرح کے ایسے بے شمار اقوال وآثار اور واقعات منقول ہیں جن سے ان کے دلوں میں اساتذہ اور علما ومشائخ کا جو احترام، تعظیم وتکریم اور مقام ومرتبہ پایا جاتا تھا اس کی عکاسی ہوتی ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ دور حاضر میں جو لوگ زور وشور سے خود کو سلف صالحین کی راہ پر چلنے والے کہلاتے ہیں ان کے اندر یہ چیزیں ادنیٰ درجے میں بھی موجود نہیں ہیں، جبکہ اس کے برعکس اساتذہ کے ساتھ بدسلوکی، انہیں الٹے سیدھے سوالات کے ذریعے پریشان کرنا، ان کی کمیاں خامیاں اور علمی لغزشیں بیان کرنا، اپنی قابلیت وصلاحیت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں کم تر ثابت کرنا، لوگوں کے سامنے ان کی غیبت اور چغلی کرنا، ان کی موجودگی میں شور مچانا اور بآواز بلند باہمی گفتگو میں مشغول رہنا طالب علموں کی عام عادت بن چکی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے اساتذہ کا احترام واکرام اور ان کی تعظیم وتکریم کرنے، اور ہمارے اوپر ان کے جو حقوق مرتب ہوتے ہیں انہیں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین

تاریخی روایات میں تساہل یا تثبت؟

کفایت اللہ سنابلی

تاریخی روایات میں تساہل یا تثبت سے متعلق علی الاطلاق کوئی بات کہنا درست نہیں ہے، مثلاً یہ کہنا بھی غلط ہے کہ تاریخی روایات کو جرح وتعدیل کے میزان پرنہیں پرکھا جائے گا، اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ ہر تاریخی روایت کو جرح وتعدیل کے میزان پر پرکھنا ضروری ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں تفصیل کی جائے۔

الزامات وغیرہ پرمبنی تاریخی روایات:

اگر تاریخی روایات کی بناپر کوئی شرعی مقدمہ قائم ہوتا ہو، یا ان میں ثابت شدہ حقائق کے خلاف کوئی بات ہو، یا ان روایات میں صحابہ یا تابعین یا معروف شخصیات پر گھناؤنے الزامات لگتے ہوں، وغیرہ وغیرہ، تو ایسی روایات کی تحقیق لازم اور ضروری ہے، اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

”اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ“ [الحجرات:٦]

اس آیت کے آخری حصہ پر غور کریں، نیز اس کا شان نزول دیکھیں تو اس کا تعلق اسی نوع کے اخبار سے معلوم ہوگا۔

اس کے علاوہ قرآن وحدیث میں متعدد ایسے نصوص وارد ہیں جن میں خلاف حقیقت بات کہنے، بغیر ثبوت کے کسی پر الزام لگانے کی سخت ممانعت ہے۔

عام حوادث پرمبنی تاریخی روایات:

اور اگر تاریخی روایات میں مذکورہ کوئی بات نہ ہو، بلکہ اس میں عام واقعات کا بیان ہو، یا ان کا تعلق شخصیات کے فضائل اور ان کے روشن کارناموں سے ہو، وغیرہ وغیرہ۔

تو ایسی تاریخی روایات کو بلا تثبت نقل وبیان کیا جاسکتا ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

”حدثوا عن بنى إسرائيل ولا حرج“

”بنی اسرائیل کے واقعات تم بیان کرسکتے ہو، ان میں کوئی حرج نہیں“ [صحيح البخاری :رقم:٣٤٦١]

لیکن یاد رہے کہ اس دوسری قسم کی روایات کو بلا تثبت بیان کرتے وقت اس کے سچ یا جھوٹ ہونے کا یقین نہیں کیا

جائے گا، بلکہ دونوں کا احتمال مانا جائے گا، جیسا کہ نبی ﷺ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

”لا تصدقوا أهل الكتاب و لا تكذبوهم“

”اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو“ [صحيح البخاري: رقم:۷۳٦۲]

تاریخی روایات سے متعلق ہم اسی تفریق وتفصیل کے قائل ہیں، اور جہاں بھی ہم تاریخی روایات کو جرح وتعدیل کے اصول پر پرکھتے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ تاریخی روایات کو بھی پرکھنے کی ضرورت ہے وہاں ہماری گفتگو مذکورہ پہلی قسم کی روایات پر ہی ہوتی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ اس تفصیل کے بالکل برعکس آج بہت سارے لوگوں کا طرز عمل یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ یہ لوگ الزامات واتہامات سے متعلق تو ہر روایت پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیتے ہیں بلکہ انہیں تواتر کے درجہ تک پہنچاتے ہیں، لیکن فضائل یا مثبت کارناموں سے متعلق روایات کو قبول کرنے کے لئے ایسا معیار قائم کرتے ہیں کہ بسا اوقات صحیحین کی احادیث بھی اس معیار پر پوری نہ اتریں۔

نبی سے محبت کا پیمانہ

شفیق عدیل محمدی

نبی سے محبت کو ناپنے کا پیمانہ کیا ہے؟ کیا نبی کی پیدائش کے حوالے سے جھوٹی عید کا تصور پیدا کر لینا، مجالس منعقد کر لینا، ہری بھری جھنڈیوں، ڈھول، تاشوں اور قوالیوں کے ساتھ جلوس نکال لینا ہی نبی سے محبت کی دلیل ہے؟

اگر ہم قرآن وسنت کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ نبی سے محبت کو ناپنے کا یہ پیمانہ نہ نبی کے زمانے میں تھا، نہ نبی کے بعد کے کئی ادوار میں تھا، بلکہ بہت بعد ملک مظفر کے زمانہ میں لوگوں نے اس قسم کی خرافات کو نبی سے محبت کا ذریعہ وسبب سمجھ لیا۔

اچھا اگر یہ سب ذرائع اور دھوم دھڑاکے نبی سے محبت کو ناپنے کے نہیں ہیں تو پھر آخر نبی سے حقیقی محبت کا پیمانہ ہے کیا؟

اس کا جواب رب کا قرآن دوٹوک الفاظ میں یوں دیتا ہے کہ لوگوں نبی ہی نہیں بلکہ اللہ کی محبت کے بھی اگر تم دعویدار بنتے ہو تو نبی کی زندگی کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ بنالو، زندگی کے ہر مسئلے میں نبی کی حقیقی اتباع و پیروی کو لازم پکڑ لو، پھر تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ نبی کی حقیقی اتباع سے ہی نبی کی محبت کھل کر سامنے ظاہر ہو جائے گی۔ چنانچہ اللہ رب العالمین نے قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آیت ۳۱ میں کم وبیش اسی بات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا::

﴿قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾

”کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا“۔

دعوتِ دین کا میدان اور خواتین

ام حبان

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾

’’(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجیے جو نہایت حسین ہو‘‘[النحل:۱۲۵]

دین اسلام کی ترقی اور بقا کا دارومدار دعوت وتبلیغ پر ہے، حضور نبی عالم ﷺ نے دنیا میں نہ صرف قرآن کا درس دیا بلکہ دعوت وتبلیغ کے ذریعے بھی اسلام کو چار دانگ عالم میں پھیلایا جس کی برکت سے آج عرب وعجم نور قرآن سے منور اور فیض اسلام سے مستفیض ہیں۔

دور حاضر میں ہر طرف شرک کے بادل امنڈتے ہوئے نظر آرہے ہیں، خود ساختہ رسومات اور بدعات کو سنت نبوی ﷺ کا عنوان دیا جارہا ہے اور قرآنی مفاہیم کو حدیث رسول ﷺ کے خلاف ثابت کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت دین کی دعوت وتبلیغ کے ذریعے دنیا کے گوشے گوشے میں حق کا پیغام پہنچائے تاکہ عوام باطل پرست اور دین پر دنیا کے جلب منفعت اور عقیل زر کی خاطر ترجیح دینے والے اشخاص کے ہتھکنڈوں کا شکار نہ ہوسکیں۔

عورت کی پیدائش کا مقصدِ عظیم:

عورت کو انسان سازی کے عظیم کام کے لیے منتخب کرکے کائنات میں بھیجا گیا ہے۔اسلام نے جو عزت اور مقام عورت کو عطا کیا ہے وہ نہ تو قومی تاریخ میں ملتا ہے اور نہ ہی دنیا کی مذہبی تاریخ اس کا پتہ دیتی ہے۔

رب نے کائنات کا نظام چلانے کے لیے مرد وعورت کا اس دنیا میں حصہ مقرر کیا ہے۔دونوں کے اپنے اپنے دائرۂ کار ہیں۔

مرد وعورت اپنے اپنے دائروں میں پابند رہ کر دین ودنیا چلاتے ہیں۔لیکن یہاں ہم دین کی دعوت میں عورت کے کردار پر بات کرنا چاہتے ہیں۔

عورت قدرت کا ایک انمول تحفہ ہے چاہے وہ ماں کی صورت میں ہو، بہن کی صورت میں، بیوی ہو یا بیٹی

کی صورت میں ۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو عزم و حوصلہ کی نعمت سے مالا مال کیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسی عزم و ہمت کی وجہ سے جنت عورت کے قدموں تلے رکھی گئی ہے ۔ عورت ہی وہ ذات ہے جس کے وجود سے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام نے جنم لیا ہے ۔ حضرت حوا سے لے کرامت محمدی ﷺ کے ظہور تک کئی داعی اور مبلغین خواتین کا ذکر قرآن و حدیث میں کیا گیا ہے جنہوں نے دین کی اشاعت وفروغ میں اپنا حصہ ڈالا ہے ۔

داعی کے لیے ضروری اوصاف:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دعوت دینے والے (داعی) کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تین اوصاف کا پایا جانا از حد ضروری ہے ۔

(۱) علم (۲) نرمی (۳) صبر

داعی اور مبلغ خواتین کے لیے علم کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ ماں کی گود سے دعوت وتبلیغ کا آغاز ہوتا ہے ۔ اگر عورت تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ نہ ہو تو وہ معاشرے کو اچھے افراد مہیا نہیں کرسکتی ۔ عورت ہی ایسے مرد پیدا کر کے ان کی تربیت کرتی ہے جن سے مستقبل کا معاشرہ تشکیل پاتا ہے ۔ عہد نبوی ﷺ میں جب عورتیں اصلاح پذیر ہوئیں تو ان کی آغوش سے ہی وہ نسل نو نکلی جس نے پوری دنیا میں اپنی اخلاقی، علمی اور فوجی فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے ۔

قرآن کی روشنی میں خواتین کا دعوتی کردار:

قرآن کریم میں بھی خواتین کے دعوتی کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

”اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں ۔ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں“ [التوبة:۷۱]

حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں مبلغ و داعی خواتین:

بے شمار احادیث مبارکہ سے بھی ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دین کی ترویج و اشاعت میں خواتین کا کردار کتنا اہم اور ضروری ہوتا ہے ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ

أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”جس نے کوئی علم پڑھا پھر اسے چھپالیا تو اللہ تعالیٰ (روز قیامت) اسے آگ کی لگام دے گا“۔[سنن ترمذی: ۲٦٤۹،صححه الالبانی]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :” مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اسے اس ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا اوران کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی“[صحیح مسلم: ۲٦٧٤]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ“

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم معروف (بھلائی) کا حکم دو اور منکر (برائی) سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے پھر تم اللہ سے دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے“[سنن ترمذی: ۲١٦۹،حسن]

ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری البدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ“

”کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کہ کرنے والے کو“[صحیح مسلم:١٨۹٣]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَيْدِيكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ“

”مشرکوں سے جہاد کرو، اپنے ہاتھوں کے ساتھ اور اپنی زبانوں کے ساتھ“[الاحادیث المختارہ للضیاء المقدسی:١٦٤٢، صححه الشيخ زبير على زئى رحمه اللّٰه]

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ دین کی دعوت، درس و تدریس، تقریریں اور اقامتِ دین کے تمام اقوال وافعال جہاد میں سے ہیں۔

اصحابِ رسول ﷺ نے امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعلیم لی ہے۔ یہ امت پر امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا احسان ہے کہ طہارت کے سارے مسائل ہماری امت کو بتا دیا جس کو ہمارے ہاں حیا پر محمول کر کے بیان ہی نہیں کیا

جاتا۔ بخاری ومسلم کے علاوہ تمام کتب سنن کا آغاز کتاب الطہارہ سے ہوتا ہے۔

اب سوال ہوتا ہے کیا عورت کی آواز پردہ ہے؟ تو ہماری فقہ میں عورت کی آواز اس کا ستر نہیں ہے۔ بس وہ آواز میں نزاکت کو ترک کردیں، لہجے میں سختی لے آئیں، آواز میں مصنوعی کشش پیدا کرنے سے اجتناب کریں، بس جو اللہ نے فطری لہجہ عطا کیا ہے اسی میں پڑھائیں۔

اور جن کے موقف کے مطابق عورت کی آواز ستر ہے ان سے گزارش ہے کہ وہ اپنے موقف کو راجح سمجھیں لیکن مخالف موقف رکھنے والے پر فتویٰ بازی سے گریز کریں۔

دین اسلام میں کچھ چیزیں حالات اور وقت کا تقاضا کرتی ہیں۔ اگر خواتین کو سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم کو دعوت دین کے لیے استعمال کرنا ہے تو آواز کے ساتھ دین کی تبلیغ کرسکتی ہیں، دین کو جتنا مدارس کے اندر پڑھانا ضروری ہے اسی قدر دین کو سوشل میڈیا پر پھیلانا بھی موثر ہے۔

مدارس میں تو آتی ہی وہ خواتین ہیں جو دین سے پہلے ہی متاثر ہوتی ہیں۔ جب کہ سوشل میڈیا پر الحاد سر اٹھائے کھڑا ہے اور سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹس پر وہ خواتین بھی ہوتی ہیں جن کو قرآن وسنت سے کبھی کوئی سروکار نہیں رہا۔ سوشل ویب سائٹس پر دین دار گھرانوں کی خواتین کم اور وہ خواتین بہت زیادہ ہیں جو صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہیں۔ جب سننے والیاں سوشل میڈیا پر موجود ہیں تو انہیں دین سمجھانے والیاں اس سے دور رہ کر کیسے دین کی خدمت کرسکتی ہیں۔ اور بسا اوقات انسان لمبی لمبی تحاریر لکھ کر بھی وہ بات نہیں سمجھا سکتا جو آواز سے بول کر سمجھا سکتا ہے۔ لیکن اس کا استعمال بھی شریعت کے دائرۂ کار میں ہونا چاہیے۔ ضروری نہیں ہر جائز چیز کو ہر کوئی اپنے لیے واجب سمجھ لے۔

ہم نے ابھی تک مائیک استعمال نہیں کیا کیونکہ اس سے بھی آواز میں خوبصورتی کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔

البتہ اگر مائیک ایسا ہو جو آواز کی ساخت کو نہ بدلے تو اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ہمیں ایک بہن نے نصیحت کی آپ ذرا جوش اور ولولے سے ریکارڈنگ کرایا کیجیے۔

تو ہم سمجھاتے ہیں دیکھیے عورت مرد کی طرح خطابت نہیں کرسکتی۔ حیا و جھجک بہر حال عورت کا گہنا ہے۔

دوسرے یہ ضروری نہیں کہ عورت کے بیانات مرد ہی سنیں۔ مردوں کے لیے میڈیا کے اتنے ذرائع ہیں۔ کتنے جید علماء کے ریکارڈڈ بیانات موجود ہیں وہ سن لیا کریں۔

☆☆☆

اسلامک انفارمیشن کا تعاون کریں۔ آئیے اس دعوتی کام میں ہمارا ساتھ دیں۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

”اور اس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے،

نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں“؟ (سورہ فصلت: ۳۳)

اسلام واٹس اپ ہیلپ لائن
8080801882
8080807836

اسلام فون ہیلپ لائن
8080801882
8080807836

دعوہ ڈیسک وِزیٹر
(کرلا، اندھیری)

تحریری فتویٰ

گھریلو جھگڑوں کی کاؤنسلنگ

ہفتہ واری اجتماعات

جمعرات شب زوم کانفرنس

zoom
آن لائن کورسیز و دروس زوم ایپ پر

آئی آئی سی او یو
IC Online University

سوشل میڈیا
@ iic mumbai

فری قرآن تقسیم

ماہانہ میگزین ”اہل السنہ“

ماہانہ راشن کٹ کی تقسیم

میڈیکل ہیلپ

خواتین کا تعلیمی و دعوتی شعبہ

بچوں کے لئے صفہ اسلامک کلاسیز

کتابوں اور پمفلیٹ کی طباعت

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

اسلامک انفارمیشن سینٹر کا تعاون کریں۔ آیئے اس دعوتی کام میں ہمارا ساتھ دیں۔

الحمدللہ اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی، ہندوستان کا ایک معروف دعوتی ادارہ ہے جو پچھلے اٹھارہ سالوں سے مستند علمائے کرام کی نگرانی میں دعوتی میدان میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے، اس ادارہ کے مختلف دعوتی شعبے ہیں، ادارہ زمینی سطح سے لے کر سوشل میڈیا وانٹرنیٹ تک، انفرادی اور اجتماعی، سماج کے ہر طبقہ بچے جوان، مرد اور خواتین کے سامنے اسلامی تعلیمات کی صحیح تصویر پیش کرنے، اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کا رد اور اسلام کے متعلق شکوک وشبہات کو دور کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔

☆ ماہانہ تعاون 500 / 1000 ☆ سالانہ تعاون 2000 / 5000 ☆ خصوصی تعاون 10000

AAJ HI DONATE KAREN

ICICI BANK
Account Name : ILM FOUNDATION (Savings),
Account No. : 102801002071 | IFSC : ICIC0001028,
Branch : Andheri Link Road Mumbai,

For Transfer Through PayTm No. 8291063765

For Transfer Through UPI

Contact or WhatsApp :
+91 9773112909, +91 8291063785, +91 8291063755

Kurla : 8080807836 | Andheri : 8080801882

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post